روزنامہ
ٹیلی فون نمبر 047-6213029 FD-10
الفضل
ایڈیٹر: عبدالسمیع خان
Web: http://www.alfazl.org
Email: editor@alfazl.org
بدھ 13 / اگست 2008ء 10 شعبان 1429 ہجری 13 ظہور 1387 ہش جلد 58-93 نمبر 185

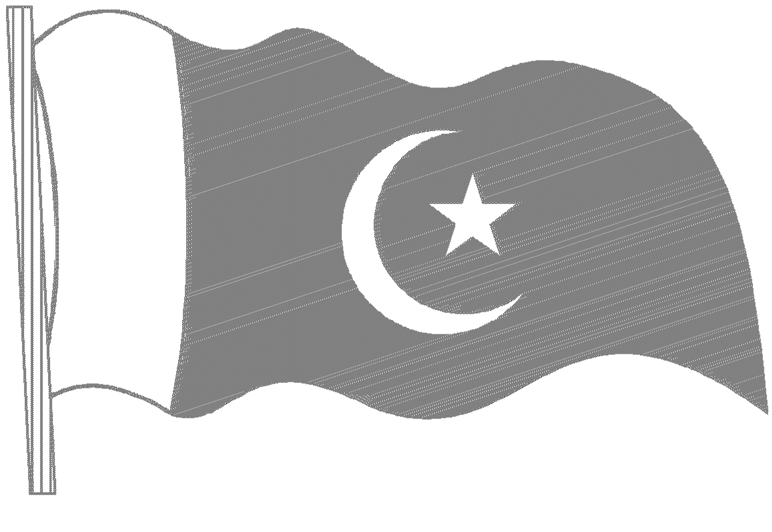

قومی ترانہ

پاک سَرزمین شاد باد　　کِشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان　　ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سَرزمین کا نِظام　　قوتِ اُخوّتِ عوام
قوم ملک سلطنت　　پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ سِتارہ و ہِلال　　رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال　　جانِ اِستقبال
سایۂ خُدائے ذُوالجلال

قومی پرچم

اس پرچم کی تاریخ 30 دسمبر 1906ء سے شروع ہوتی ہے۔ جب ڈھاکہ میں مسلمانان ہند کی ایک سیاسی تنظیم آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی اور ایک سبز پرچم، جس پر چاند اور تارہ بنا ہوا تھا، اس تنظیم کا پرچم قرار پایا۔

قائد ملت خاں لیاقت علی خاں نے یہ پرچم 11 / اگست 1947ء کو کراچی میں مجلس قانون ساز کے اجلاس میں پیش کیا اور کہا کہ یہ پرچم ان لوگوں کی آزادی و حریت اور مساوات کا ضامن ہے جو اس سے وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔ اور یہ پرچم شہریوں کے جائز حقوق کی حفاظت کرے گا۔

اسی دن مرکزی قانون ساز اسمبلی نے پاکستان کے قومی پرچم کو سرکاری طور پر منظور کرلیا۔

پاکستان کا قومی پرچم مستطیل شکل کا ہے۔ اس کے طول اور عرض میں تین اور دو کا تناسب ہے۔ پرچم کا ایک چوتھائی حصہ سفید رنگ پر اور تین چوتھائی حصہ سبز رنگ پر مشتمل ہے۔ سفید رنگ اقلیتوں کی اور سبز رنگ اسلام کی نمائندگی کرتا ہے۔ سبز رنگ کے حصے پر ایک ہلال اور ایک ستارہ بنا ہوا ہے۔ یہ ہلال 45 درجے کے زاویئے پر جھکا ہوا ہے۔

پاکستان کے قومی ترانے کی تاریخ

ہر ملک کا قومی ترانہ اور قومی پرچم نہ صرف یہ کہ اس ملک کی قومی امنگوں کا ترجمان ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بیرونی دنیا میں ہر ملک کا پہلا تعارف بھی ہوتا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت پاکستان کا قومی پرچم تو موجود تھا۔ لیکن اس نئی مملکت کا قومی ترانہ تیار ہونے کا مرحلہ ابھی باقی تھا۔ 14 / اگست 1947ء کو پرچم کشائی کے موقع پر ایک قومی گیت کی دھن بجائی گئی تھی لیکن اس گیت کو ترانے کا درجہ نہیں دیا گیا تھا۔

دسمبر 1948ء میں حکومت پاکستان نے وزیر مواصلات سردار عبدالرب نشتر کی سربراہی میں 8 رکنی قومی ترانہ کمیٹی تشکیل دی جس میں عبدالستار پیرزادہ، چوہدری نذیر احمد خاں، راج کمار چکرورتی، حفیظ جالندھری، اے ڈی اظہر، زیڈ اے بخاری، جسیم الدین اور ایس ایم اکرام شامل تھے۔

اس کمیٹی کا پہلا اجلاس یکم مارچ 1949ء کو کراچی میں منعقد ہوا۔ بعد میں کمیٹی کو دو ذیلی کمیٹیوں میں تقسیم کیا گیا تا کہ وہ الفاظ اور موسیقی کے سلسلے میں موصولہ نمونوں کا جائزہ لے۔ اس کمیٹی کو دنیا کے مختلف حصوں سے الفاظ اور دھنیں موصول ہوئیں لیکن ان میں سے کوئی بھی دھن یا نغمہ معیار پر پورا نہ اتر سکا۔

اگست 1949ء میں سردار عبدالرب نشتر پنجاب کے گورنر بنے تو ان کی جگہ عبدالستار پیرزادہ ترانہ کمیٹی کے سربراہ بنے۔ ادھر 1950ء کے اوائل میں ایران کے سربراہ پاکستان آنے والے تھے اس لئے قومی ترانے کی تخلیق کا کام تیز کردیا گیا۔

قومی ترانے کی ذیلی کمیٹی برائے موسیقی کے ایک رکن احمد غلام علی چاگلہ تھے۔ وہ خود بھی ایک اچھے موسیقار تھے اور تقسیم سے پہلے ایک فلم کی موسیقی بھی ترتیب دے چکے تھے۔ جب ان سے قومی ترانے کی موسیقی ترتیب دینے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اسے اپنے لئے باعث اعزاز سمجھا اور انہوں نے پاکستان کے قومی ترانے کے لئے ایک پرشکوہ دھن ترتیب دے ڈالی۔

اس دھن میں انہوں نے کل 21 آلات موسیقی اور 38 ساز استعمال کئے۔ اس دھن کا دورانیہ 80 سیکنڈ تھا اور اسے پاکستان زندہ باد کا نام دیا گیا۔

یکم مارچ 1948ء کو جب ایران کے سربراہ مملکت پاکستان تشریف لائے تو ان کی آمد میں پاک بحریہ کے بینڈ نے اس ترانے کی دھن بجائی۔ 5 جنوری 1954ء کو مرکزی کابینہ نے اس دھن کو سرکاری طور پر قومی ترانہ قرار دے دیا۔

اب اگلا مرحلہ اس دھن کے حوالے سے الفاظ کا چناؤ تھا۔ چنانچہ ملک کے تمام مقتدر شعرائے کرام کو اس ترانے کے گراموفون ریکارڈز بھجوائے گئے۔ جواباً قومی ترانہ کمیٹی کو مجموعی طور پر 723 ترانے موصول ہوئے۔

ان قومی ترانوں میں سے قومی ترانہ کمیٹی کو جو ترانے سب سے زیادہ پسند آئے وہ حفیظ جالندھری حکیم احمد شجاع، آرزو لکھنوی اور زیڈ اے بخاری کے لکھے ہوئے ترانے تھے۔

7 / اگست 1954ء کو قومی ترانہ کمیٹی نے ابوالاثر حفیظ جالندھری کا ترانہ پاکستان کے قومی ترانے کے طور پر منظور کرلیا اور 6 دن بعد 13 / اگست 1955ء کو حکومت نے قومی ترانے کے الفاظ کا کاپی رائٹ خرید لیا تا کہ اس میں غلطی ہونے کا کوئی امکان نہ رہے۔

پاکستان کا قومی ترانہ شاعری کی صنف مخمس میں لکھا گیا ہے۔ اس ترانے میں کل 3 بند ہیں اور ہر بند میں 5، 5 مصرعے ہیں اس ترانے میں کل 209 الفاظ ہیں۔ ترانے کے ہر بند کا آغاز پاکستان کے پہلے حرف سے ہوتا ہے جبکہ اس ترانے میں لفظ پاکستان فقط ایک مرتبہ آتا ہے۔

پاکستان کا قومی ترانہ دنیا کے خوبصورت ترانوں میں ایک اہم خوبصورت اضافہ ہے۔

پاکستان کے 60 سال۔ایک نظر میں

14/اگست 1947ء
پاکستان معرض وجود میں آیا، قائد اعظم محمد علی جناح پہلے گورنر جنرل جبکہ لیاقت علی خان پہلے وزیراعظم بنے۔کراچی کو ملک کا پہلا دارالخلافہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔اسی سال پاکستان کو اقوام متحدہ کا ممبر بھی منتخب کرلیا گیا

1948ء
قائداعظم محمد علی جناح انتقال کرگئے، خواجہ ناظم الدین نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔اسی سال پاکستان ملٹری اکیڈمی بنائی گئی۔

1949ء
کشمیر میں جنگ بندی ہوگئی، پاکستان نے چین کو تسلیم کرلیا۔

1950ء
پاکستان عالمی بینک کا رکن بن گیا۔

1951ء
پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو قتل کردیا گیا، خواجہ ناظم الدین وزیراعظم بن گئے، غلام محمد گورنر جنرل بنائے گئے۔

1953ء
گورنر جنرل غلام محمد نے وزیراعظم ناظم الدین کو برطرف کردیا۔محمد علی بوگرہ کا بطور وزیراعظم تقرر کیا گیا۔اس فیصلے کے خلاف سپیکر قومی اسمبلی مولوی تمیزالدین عدالت میں چلے گئے، سندھ ہائی کورٹ سے وہ مقدمہ جیت گئے مگر سپریم کورٹ میں انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔اسی سال احمدیوں کے خلاف کراچی اور لاہور میں فسادات ہوئے، جبکہ امریکہ کے ساتھ باہمی امداد کا معاہدہ بھی کیا گیا۔

1954ء
اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا، گورنر جنرل غلام محمد نے قانون ساز اسمبلی تحلیل کردی، مشرقی پاکستان میں انتخابات کرائے گئے جبکہ پاکستان ''سیٹو'' کا ممبر بن گیا۔

1955ء
گورنر جنرل غلام محمد نے استعفیٰ دے دیا ان کی جگہ سکندر مرزا نے لے لی، مغربی پاکستان کو انتظامی لحاظ سے ون یونٹ قرار دیا گیا، پہلا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ بھی پیش کیا گیا۔محمد علی بوگرہ نے استعفیٰ دے دیا ان کے بعد چودھری محمد علی وزیراعظم بن گئے۔پاکستان میثاق بغداد کا رکن بن گیا۔

1956ء
پہلا آئین نافذ ہوا، سکندر مرزا پہلے صدر بن گئے۔اٹامک انرجی کمیشن کا قیام عمل میں آیا، حسین شہید سہروردی وزیراعظم بن گئے۔

1957ء
حسین شہید سہروردی نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا، ان کی جگہ آئی آئی چندریگر وزیراعظم بنے، چندریگر کے استعفیٰ کے بعد فیروز خان نون وزیراعظم بن گئے۔

1958ء
سکندر مرزا نے آئین معطل کرکے مارشل لاء نافذ کردیا، جنرل ایوب خان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گئے بعدازاں سکندر مرزا کو جلاوطن کردیا گیا اور ایوب خان صدر بنے۔اسی سال لینڈ ریفارمز کمیشن اور ایجوکیشن کمیشن کا اعلان بھی کیا گیا۔

1959ء
ایوب خان نے بنیادی جمہوریتوں کا نظام متعارف کرایا اور انتخابات منعقد ہوئے۔ملک کا دارالخلافہ اسلام آباد بنادیا گیا۔

1960ء
صدارتی انتخابات میں ایوب خان جیت گئے، ایجوکیشن کمیشن کی رپورٹ بھی پیش کردی گئی۔

1961ء
صدر مملکت ایوب خان نے امریکہ کا دورہ کیا، اسی سال ملکہ برطانیہ نے پاکستان کا دورہ کیا، ڈیسی مل سسٹم متعارف کرایا گیا۔

1963ء
چین کے ساتھ سرحدی معاہدہ عمل میں آیا۔

1964ء
چین کے راہنما چواین لائی نے دورہ پاکستان کیا اور چین کے ساتھ پاکستان کے فضائی رابطے قائم ہوگئے۔

1965ء
پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کے مسئلے پر دوسری جنگ چھڑگئی، اسی سال کینیڈا کے ساتھ کراچی میں ایٹمی پاور پلانٹ کا سٹیشن قائم کرنے کا معاہدہ بھی کیا گیا۔

1966ء
شیخ مجیب الرحمٰن نے چھ نکاتی پروگرام پیش کیا۔

1967ء
ذوالفقار علی بھٹو نے بطور وزیر خارجہ استعفیٰ دے دیا اور پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔

1969ء
صدر ایوب مستعفی ہوگئے، یحییٰ خان نے مارشل لاء نافذ کردیا اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بننے کے بعد صدر بن گئے۔

1970ء
پاکستان میں پہلے عام انتخابات منعقد ہوئے، شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے قومی اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل کرلی، حکومت نے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے سے انکار کردیا۔مشرقی پاکستان میں سیاسی مشکلات کا آغاز ہوگیا۔اسی سال لیگل فریم ورک کا اعلان کیا گیا، ون یونٹ توڑ دیا گیا، مشرقی پاکستان میں آنے والے سائیکلون سے دولاکھ افراد مارے گئے۔

1971ء
مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔بھارت نے مداخلت کرتے ہوئے مشرقی پاکستان پر حملہ کردیا، سقوط ڈھاکہ ہونے پر پاکستانی فوج نے ریس کورس میں ہتھیار ڈال دیئے، یحییٰ خان نے استعفیٰ دے دیا، بھٹو پہلے سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے علاوہ صدر بن گئے۔

1972ء
لیبر اور لینڈ ریفارمز کا اعلان کیا گیا، بھٹو اور بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی نے شملہ معاہدہ پر دستخط کئے۔اس معاہدے کی روشنی میں ایک نئی لائن آف کنٹرول معرض وجود میں آئی۔صنعتی اور تعلیمی ادارے بھی اسی سال قومیائے گئے، بھٹو نے قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لے کر عبوری آئین بھی نافذ کرنے کا اعلان کیا، مارشل لاء کا خاتمہ کردیا گیا، بھٹو نے نئے آئین کے تحت صدر کا حلف اٹھایا، سندھ اسمبلی نے سندھی زبان کو صوبائی زبان قرار دے دیا جس کے بعد فسادات پھوٹ پڑے۔

1973ء
نیا آئین ملک میں نافذ کردیا گیا، بھٹو وزیراعظم بن گئے، فضل الٰہی کو صدر بنا دیا گیا، حکومت نے بلوچستان اور سرحد میں شورش سے نمٹنے کے لئے فوجی دستے بھجوائے، بھارت میں قید فوجیوں کی واپسی کا کام شروع کردیا گیا۔

1974ء
بینکوں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا، لاہور میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی، بنگلہ دیش کو تسلیم کرلیا گیا، احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔

1976ء
پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہوگئے، فرانس کے ساتھ نیوکلیئر ری پروسیسنگ پلانٹ کے لئے معاہدہ کیا گیا۔امریکہ نے اس معاہدے کی مخالفت کی، ہنری کسنجر نے بھٹو کو خوفناک مثال بنانے کی دھمکی دی۔

1977ء
جنرل ضیاء الحق نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹ کر مارشل لاء نافذ کردیا، ملک میں تحریک نظام مصطفیٰ چلائی گئی۔پی این اے کی تحریک نے مارشل لاء کا راستہ ہموار کیا، بھٹو گرفتار ہوگئے۔

1978ء
جنرل ضیاء الحق پاکستان کے چھٹے صدر بن گئے، قراقرم ہائی وے کھول دیا گیا۔

1979ء
اسلامی قوانین متعارف کرائے گئے، اس سال کا سب سے اہم واقعہ بھٹو کو پھانسی لگانا تھا۔عام انتخابات ملتوی کرکے تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد کردی گئی۔ڈاکٹر عبدالسلام کو فزکس میں نوبیل پرائز ملا۔

1981ء
ضیاء الحق نے عبوری آئینی حکم جاری کیا اور مجلس شوریٰ قائم کردی، اپوزیشن نے بحالی جمہوریت کی تحریک شروع کی۔

1983ء
جنرل ضیاء نے اعلان کیا کہ مارشل لاء جلد اٹھالیا جائے گا لیکن فوج مستقبل کی حکومت میں اہم کردار ادا کرے گی۔

1984ء
ضیاء الحق نے اسلامی پالیسیوں کی منظوری کے لئے ریفرنڈم کرایا۔احمدیوں کے خلاف آرڈیننس جاری کیا گیا۔

1985ء
ملک میں پہلی مرتبہ غیر جماعتی انتخابات منعقد کرائے گئے، اسی سال آٹھویں ترمیم بھی آئین کا حصہ بنی، ایم آر ڈی نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔

1988ء
اوجڑی کیمپ میں دھماکے ہوئے جس سے 90 افراد مارے گئے، صدر ضیاء الحق نے قومی اسمبلی برخاست کرکے جونیجو حکومت کو فارغ کردیا، اسی سال جنرل ضیاء طیارے کے ایک حادثے میں مارے گئے جس کے بعد غلام اسحٰق صدر بن گئے اور الیکشن منعقد ہوئے، بے نظیر بھٹو پاکستان کی پہلی خاتون وزیراعظم بن گئیں۔

1989ء
پاکستان دولت مشترکہ کا دوبارہ ممبر بن گیا، اپوزیشن جماعتوں نے ایک الائنس آئی جے آئی تشکیل دیا جس کا سربراہ غلام مصطفیٰ جتوئی کو بنایا گیا۔

1990ء
صدر اسحاق نے قومی اور صوبائی اسمبلیاں تحلیل کردیں جبکہ وزیراعظم بے نظیر کو برطرف کردیا گیا۔انتخابات میں پیپلز پارٹی شکست سے دوچار ہوئی، نواز شریف وزیراعظم بن گئے۔

(باقی صفحہ 6 پر)

پبلشر و پرنٹر طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ مطبع ضیاء الاسلام پریس مقام اشاعت دارالنصر غربی چناب نگر (ربوہ) قیمت-/5 روپے

تحریک پاکستان اور تعمیر وطن میں روزنامہ الفضل کا کردار

زمانہ جنگ اور امن میں مفید مشورے۔قوم کی راہنمائی اور عملی امداد

مکرم حافظ راشد جاوید شاہد صاحب

معاشرے کی تعمیر وترقی میں صحافت کا کردار بہت اہمیت اختیار کر چکا ہے اور آج معاشرے کے بگڑنے یا سنورنے میں صحافت ہی نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ اگر کسی ملک کی صحافت مثبت قدروں کو فروغ دے تو اس ملک میں اعلیٰ اخلاقی قدریں ہی فروغ پائیں گی۔

ماہرین صحافت کے نزدیک صحافت کے بنیادی طور پر تین مقاصد ہیں۔ (1) راہنمائی کرنا۔ (2) معلومات فراہم کرنا۔ (3) تفریح مہیا کرنا۔لیکن اکثر ممالک میں مؤخر الذکر دو مقاصد کے نام پر اخلاقی اقدار کو پامال کیا جارہا ہے۔لیکن اس کے برعکس جماعت احمدیہ کی صحافت نے شروع ہی سے راہنمائی کو اپنا بنیادی مقصد قرار دیا تھا اور حضرت مسیح موعود اور بعدازاں خلفاء احمدیت کی راہنمائی میں روزنامہ الفضل قادیان اور ربوہ نے ہمیشہ ہر مسئلہ پر قوم کی مناسب راہنمائی فرمائی۔

جماعت احمدیہ میں آغاز سے ہی صحافت کو بہت اہمیت دی گئی اور حضرت مسیح موعود نے ابتدائی دور کے دو اخبارات الحکم اور البدر کو اپنے دو بازو قرار دیا۔لیکن احمدیہ صحافت کا روز اول سے یہی منشور رہا کہ معاشرے میں مذہبی و اخلاقی اقدار کو فروغ دیا جائے اور مادہ پرستی کے اس دور میں دنیا کو خدا کے آستانہ پر جھکایا جائے۔تحریک پاکستان ہو یا قیام پاکستان کے بعد قوم کی راہنمائی ہو یا پاکستان پر مسلط کی جانے والی جنگیں ہوں یا عالم اسلام کا کوئی اور مسئلہ ہمیشہ الفضل نے ائمہ احمدیت کے ارشادات کی روشنی میں قوم کی مناسب راہنمائی کی ہے۔آج ہم تحریک پاکستان اور بعدازاں تعمیر وترقی پاکستان میں روزنامہ الفضل کے کردار کا سرسری سا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

تحریک پاکستان کی حمایت

جب تحریک پاکستان اپنے زوروں پر تھی۔اس وقت برصغیر کے مسلمان انتہائی کسمپرسی کا شکار تھے۔ ایک تو مسلمانوں کے اخبارات ویسے ہی کم تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی مذہبی تنظیمیں مسلم لیگ اور قائداعظم کی راہ میں کانٹے بچھانے کا کام کررہی تھیں۔ان حالات میں قادیان سے شائع ہونے والا جماعت احمدیہ کا ترجمان الفضل ایسا مذہبی اخبار تھا جس نے ہر موڑ پر مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔اس دور میں الفضل میں امام جماعت احمدیہ کے ارشادات اور ان کی راہنمائی میں کثرت سے ایسے مضامین شائع ہوتے تھے۔ جن میں احمدیوں سے بالخصوص اور دوسرے مسلمانوں سے بالعموم اپیل کی جاتی تھی کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔

چنانچہ 1945ء کے انتخابات جو مسلم لیگ کے لئے انتہائی اہمیت کے حامل تھے اور اس وقت بہت سے عناصر مسلم لیگ اور قائداعظم کے خلاف بھرپور پروپیگنڈا کررہے تھے اس موقع پر الفضل ہی تھا جو مسلمانان ہند سے پُرزور اپیلیں کررہا تھا کہ وہ اس موقع پر مسلم لیگ کو ووٹ دیں اور اس سلسلہ میں امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کا مفصل مضمون 22/اکتوبر 1946ء کے الفضل میں شائع ہوا جس میں احمدیوں پر خصوصیت سے زور دیا گیا کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔

1946ء کے آخر میں بھارت میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے اور ہندوؤں کی جانب سے مسلمانوں پر حملے ہونے لگے۔اس پر الفضل نے بہت سے مضامین شائع کئے۔ مارچ 1947ء کے الفضل میں ان فسادات کی مذمت میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں کانگریس پر تنقید کرتے ہوئے ''الفضل'' لکھتا ہے کہ ''کانگریس ہندوستان کی آزادی کے لئے اتنی بے چین نہیں جتنی مسلم لیگ کو کچلنے کی آرزومند ہے''۔

اس موقعہ پر کثرت سے الفضل میں دعا کی درخواستیں بھی شائع کی گئیں تاکہ یہ فسادات ختم ہوں اور مسلمانوں کو سکھ چین نصیب ہو۔

جب حالات خراب ہوں تو افواہیں کثرت سے پھیلتی ہیں اور سینہ گزٹ قسم کی خبروں سے لوگوں میں بے یقینی کی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔اس موقعہ پر میڈیا کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو سمجھائے کہ وہ افواہوں پر کان نہ دھریں۔ چنانچہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے 8 مارچ 1947ء کے الفضل میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں اپیل کی گئی کہ احباب افواہوں پر کان نہ دھریں اور انہیں آگے نہ پھیلائیں۔ بلکہ اگر کوئی بات پتہ چلتی ہے تو متعلقہ حکام کو اطلاع دیں۔

برصغیر کی تقسیم کے وقت پنجاب کی تقسیم کے خلاف بھی الفضل نے بھرپور مہم چلائی۔اس سلسلہ میں ایک ٹیلی گرام کا متن بھی شائع کیا گیا جو پنجاب کی تقسیم کے خلاف برطانوی وزیراعظم کو بھجوائی گئی تھی۔ اس میں پنجاب کی تقسیم کو غیر طبعی قرار دیا گیا۔الفضل سکھوں سے بھی اپیلیں کرتا رہا کہ وہ پنجاب کی تقسیم کے مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں۔ الفضل نے اس دور میں پنجاب کی تقسیم کو سکھوں کے لئے سیاسی خودکشی قرار دیا تھا۔جو بعد میں وقت نے صحیح ثابت کردیا۔

تقسیم ہند کے وقت مسلم مہاجرین کے مسائل حل کرنے کے لئے وسائل انتہائی کم تھے۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان فنڈ کا اجراء کیا۔ الفضل نے اس کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے اس کے حق میں تحریک چلائی اور احمدیوں سے بالخصوص اور مسلمانوں سے بالعموم اس میں بڑھ چڑھ کر چندہ دینے کی اپیل کی گئی۔

جولائی 1947ء میں صوبہ سرحد میں جب استصواب رائے کا فیصلہ کیا گیا تو اس پر بھی الفضل نے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے حق میں مضامین لکھے اور کانگریس کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے لکھا کہ کانگریس پٹھانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کررہی ہے لیکن وہ اس میں کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔

غرض اگر ہم 1947ء کے اخبار الفضل کا جائزہ لیں تو ہمیں کثرت سے مسلم لیگ کے حق میں اور کانگریس کی بعض پالیسیوں کی مذمت میں مضامین ملیں گے۔

الفضل اور قائداعظم محمد علی جناح

الفضل کی پالیسی یہ تھی کہ قائد کا بھرپور ساتھ دیا جائے۔ چنانچہ اگست 1947ء کے اخبارات میں قائداعظم کا پاکستان روانگی سے پہلے الوداعی بیان شائع ہوا جس میں قائداعظم نے فرمایا۔

''میں آج دہلی کے رہنے والوں کو الوداع کہتا ہوں۔ گزشتہ باتوں کو دفن کردو اور آؤ دونئی آزاد حکومتو! ہندوستان اور پاکستان کے طور پر از سرنو اپنی حیات کا آغاز کریں۔ میں ہندوستان کی اقبال مندی اور امن وامان کے لئے دست بدعا ہوں''۔

قائداعظم کا یہ بیان 21/اگست 1947ء کے الفضل نے شائع کیا اور اسے قائداعظم کی اعلیٰ ظرفی قرار دیتے ہوئے لکھا کہ اگر ہندو لیڈر بھی اس فراخدلی اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کریں تو حالات بہت بہتر ہوسکتے ہیں۔

قیام پاکستان کے ساتھ ہی پنجاب میں فسادات پھوٹ پڑے اور سکھوں نے مسلمان قافلوں پر حملے کرنے شروع کردیئے۔الفضل نے ان فسادات کی بھرپور طریق سے مذمت کی اور 2 ستمبر 1947ء کی اشاعت میں لکھا کہ موجودہ فسادات کا مکروہ ترین پہلو عورتوں اور بچوں پر حملہ ہے جو مذہبی اور اخلاقی ہر لحاظ سے بہت ہی بھیانک جرم ہے۔

13 ستمبر کے الفضل میں احمدی احباب کو نصیحت کی گئی کہ وہ اس نازک وقت میں حکومت کی بھرپور مدد کریں۔

ہندوستان سے لاہور منتقل ہونے والا واحد اخبار

الفضل 15 ستمبر 1947ء تک قادیان سے شائع ہوتا رہا اس کے بعد لاہور پاکستان منتقل ہوگیا اور 15 ستمبر کا پرچہ لاہور سے بھی شائع ہوا۔ یہ واحد اخبار تھا جو ہندوستان سے لاہور منتقل ہوا۔ چنانچہ اس بارے میں صحافت کے استاد ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں۔

''اتنے غیر مسلم اخباروں کی روانگی کے باوجود ہندوستان کا کوئی ...... روزنامہ لاہور نہ آیا۔ البتہ جماعت احمدیہ کا روزنامہ ''الفضل'' قادیان سے لاہور منتقل ہوگیا......اور اب یہ ربوہ سے نکلتا ہے''۔

(داستان صحافت صفحہ 126 مصنف عبدالسلام خورشید مکتبہ کاروان)

قیام پاکستان کے بعد جب بھارت نے کشمیر پر قبضہ جمانے کے لئے اس میں اپنی فوج بھجوادی اور وہاں کے عوام بھارتی جارحیت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو کشمیری مجاہدین اور مظلومین کی امداد کے لئے نہ صرف ''الفضل'' نے خود تحریک چلائی بلکہ باقی پاکستانی پریس سے بھی اپیل کی کہ وہ اس میں حصہ لے۔ چنانچہ 4 دسمبر 1947ء کا الفضل لکھتا ہے۔

''پاکستان کے ہر باشندہ کا فرض ہے کہ کشمیر بھیجنے کے لئے گرم کپڑے اور چندہ فراہم کرے۔ قارئین الفضل سے خصوصی طور پر اپیل ہے کہ وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ پاکستان کے پریس کا بھی فرض ہے کہ وہ روزانہ اس سلسلہ میں تحریک کرے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ سارے اخبارات مل کر اس کام کے لئے ایک کمیٹی بنالیں''۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت مصلح موعود نے پاکستان کے مستقبل کے بارے میں لیکچرز دیئے۔ یہ پُرمعارف اور نہایت قیمتی لیکچرز الفضل کے ذریعہ سے ہی عوام الناس اور ارباب حل وعقد تک پہنچے۔

غیر ملکی قرض لینے کے بارے میں روزنامہ الفضل کی طرف سے پاکستان کو بروقت انتباہ

ہمارا ہر پیدا ہونے والا بچہ 50 ہزار روپے سے زائد مقروض ہوتا ہے۔ قیام پاکستان سے چند روز قبل پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ جب قرض لینے کی خبر شائع ہوئی کہ بھارتی حکومت پاکستان کو 5 ارب روپے قرض دے گی تو اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے 7/اگست 1947ء کے الفضل نے

''کیا پاکستان ہندوستان سے قرض لے گا''

کے عنوان سے لکھا کہ گو حکومتیں چلانے کے لئے بعض اوقات قرض لینا پڑتا ہے لیکن ہماری رائے میں قرض نہ ہی لیا جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ اخبار الفضل لکھتا ہے۔

لیکن ہماری رائے میں نادار سے نادار ملک کے لوگ بھی اگر چاہیں تو اپنے وطن کو قرضہ کی بلا سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

قرضہ خواہ افراد لیں یا حکومت پھر قرضہ ہی ہوتا ہے اور جو ملک قرضہ لے کر اپنی سکیموں کو چلاتا ہے وہ ضرور اپنے ساہوکار ملک کا کئی باتوں میں رہین ہو جاتا ہے اور اس دباؤ کی وجہ سے اس کو بہت سی ایسی باتیں ماننی پڑتی ہیں جو بصورت دیگر وہ کبھی ماننا پسند نہ کرے۔

یہ خیال کہ آجکل ایک ایسا ملک جس کی حکومت کے پاس بہت سارو پیہ نہیں چل نہیں سکتی غلط ہے۔ اگر اس ملک کے رہنے والوں کے دلوں میں اپنے ملک کی بہبودی کا احساس پوری طاقت کے ساتھ زندہ ہو تو اس مشکل پر قابو پانا محال نہیں ہے۔

کاش آنے والی حکومتیں اس انتباہ کو مدنظر رکھتیں جو الفضل نے قیام پاکستان کے وقت کیا تھا تو قیام پاکستان میں اقتصادی بدحالی اور معاشی زبوں حالی کی یہ صورت نہ ہوتی۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں جماعت احمدیہ کی صحافت ائمہ جماعت کی راہنمائی میں ملکی سلامتی واستحکام کے لئے ہمیشہ کوشاں رہی ہے اور جب بھی پاکستان پر کوئی مشکل وقت آیا جماعت احمدیہ کے روزنامہ الفضل نے اس مسئلہ کے حل کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے اور قوم کی مناسب راہنمائی فرمائی۔

جنگ ستمبر میں الفضل کا کردار

6 ستمبر 1965ء کا دن پاکستان کی تاریخ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دن بھارتی افواج نے رات کی تاریکی میں پاک سرزمین پر حملہ کر دیا تھا اور اس وقت پاکستان میں بسنے والا ہر احمدی پاک وطن کے لئے اپنا تن من دھن قربان کرنے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ اس جنگ میں جہاں احمدی فوجیوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو تاریخ پاکستان کا درخشندہ باب ہیں وہاں روزنامہ الفضل نے بھی بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ ایسے مواقع پر احمدیہ جماعت کے پاس سب سے بڑا ہتھیار خدائے عزوجل کی بارگاہ میں دعا کرنا ہے جب بھارت نے پاک وطن پر حملہ کیا تو جماعت احمدیہ پاکستان کے روزنامہ الفضل نے احباب جماعت کو بار بار مختلف رنگ میں پاکستانی افواج کی فتح کے لئے دعا کرنے کی طرف توجہ دلائی اس سلسلہ میں 7 ستمبر 1965ء کے الفضل میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کی طرف سے ایک اعلان بعنوان

''کشمیر آپ کی دعاؤں کا متقاضی ہے''

نمایاں کر کے شائع کیا جس میں آپ نے فرمایا۔

''میں احباب جماعت سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ ان ایام میں خاص طور پر کشمیر کی آزادی، کشمیری عوام کی فلاح و بہبود اور مشکلات سے نجات اور پاکستان کی سالمیت روز افزوں ترقی کے لئے نہایت الحاح اور تضرع سے دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اہل اسلام کی جملہ پریشانیوں اور مشکلات کو دور فرمائے اور بالخصوص پاکستان کا حافظ و ناصر اور مددگار ہو۔ آمین

جنگ کی خبر موصول ہونے کے بعد اہل ربوہ نے ظہر کے وقت بیت المبارک میں اکٹھے ہو کر پاکستان کی کامیابی اور فتح کے لئے دردمندانہ دعائیں کیں۔ اس دعائیہ مجلس کی رپورٹ (احباب میں دعاؤں کا مزید ذوق پیدا کرنے کے لئے) الفضل نے 8 ستمبر 1965ء کے شمارے میں شائع کی۔

جنگ کے موقع پر حضرت مصلح موعود کا جو پیغام احباب جماعت کے نام الفضل نے 10 ستمبر کی اشاعت میں شائع کیا اس میں حضرت صاحب نے فرمایا۔

''دعاؤں اور قربانیوں کے ساتھ اپنے محبوب وطن کو مستحکم اور ناقابل تسخیر بنا دیں''۔

(الفضل 10 ستمبر 1965ء)

پھر 19 ستمبر کے شمارہ میں بھی الفضل نے احباب جماعت کے لئے حضرت مصلح موعود کی ایک اہم نصیحت شائع کی۔

سجدہ شکر

جنگ ستمبر کے موقعہ پر جہاں الفضل نے کثرت سے دعاؤں کی طرف توجہ دلائی اور احباب جماعت نے دعائیں بھی کیں اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل اور احباب جماعت احمدیہ کی عاجزانہ دعاؤں سے جنگ میں پاکستان کو نمایاں فتح نصیب ہوئی اور تو اور ربوہ میں اہل ربوہ نے اجتماعی طور پر سجدہ شکر ادا کیا تو اس کی مفصل رپورٹ بھی الفضل نے 26 ستمبر 1965ء کے شمارہ میں شائع کی۔ چنانچہ الفضل لکھتا ہے کہ

24 ستمبر بروز جمعہ کو جمعہ کی نماز (بیت) المبارک میں محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس نے پڑھائی اور آپ نے فرمایا کہ

''اللہ تعالیٰ نے اہل پاکستان کو اپنا دفاع کرنے میں اپنی مدد و نصرت سے نوازا اور کئی گنا طاقتور دشمن کو شکست دینے کی غیر معمولی توفیق عطا فرمائی۔ اس غیر معمولی کامیابی پر ہم پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے''۔

مولانا نے خطبہ میں آئندہ بھی مدد و نصرت حاصل ہونے کے لئے دعا کی پُرزور تحریک کی۔ چنانچہ جمعہ میں دردوسوز کے ساتھ دعائیں کی گئیں۔ عبادات سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی اقتداء میں تمام حاضرین نے ایک علیحدہ سجدہ شکرانہ بھی ادا کیا۔

جنگ ستمبر کے موقعہ پر الفضل نے مسلسل ایسے مضامین اور اداریے لکھے جس میں جہاد کی اہمیت اور فرضیت کو اجاگر کیا گیا۔

الفضل 10 ستمبر 1965ء کی اشاعت میں سیدنا حضرت مصلح موعود کے بعض تاکیدی ارشادات ''پاکستانی احمدیوں کی خصوصی ذمہ داریاں'' کے عنوان سے شائع کئے جس میں آپ فرماتے ہیں۔

''تمہیں یہ امر اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ جن امور کو (دین حق) نے ایمان کا اہم ترین حصہ قرار دیا ہے ان میں سے ایک جہاد بھی ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ جو شخص جہاد کے موقعہ پر پیٹھ دکھاتا ہے جہنمی ہو جاتا ہے''۔

پھر آپ فرماتے ہیں۔

''جب کبھی جہاد کا موقعہ آئے (-) ہمیں اپنے ملک اپنے اموال اور اپنی عزتوں کی حفاظت کے لئے قربانی کرنی پڑے تو ہم اس میدان میں بھی سب سے بہتر نمونہ دکھانے والے ہوں''۔

(الفضل 10 ستمبر 1965ء ص 3)

جب 6 ستمبر کو بھارتی افواج نے پاکستان پر حملہ کیا تو حضرت مصلح موعود نے صدر پاکستان کو پیغام بھجوایا جو الفضل نے دو دفعہ شائع کیا۔ اس میں آپ فرماتے ہیں:۔

''مجھے یہ معلوم کر کے انتہائی قلق اور صدمہ ہوا ہے کہ بھارتی حکومت نے بغیر کسی وجہ اشتعال کے بزدلانہ طور پر ہماری مقدس سرزمین پر جارحانہ حملہ کیا ہے۔ امتحان و آزمائش کے موجودہ وقت میں پوری کی پوری قوم یک جان ہو کر فرد واحد کی طرح آپ کے پیچھے ہے۔

میں اپنی طرف سے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے آپ کو دل و جان کے ساتھ مکمل تعاون اور مدد کا یقین دلاتا ہوں۔ اس نازک موقع پر ہم ہر مطلوبہ قربانی بجالانے کا عہد کرتے ہیں''۔

الفضل نے 8 ستمبر سے 5 نومبر 1966ء تک تقریباً ہر روز اداریہ کے ذریعہ مختلف انداز میں قوم میں قربانی کے جذبہ کو ابھارا اور بھارتی جارحیت کی مذمت کی گئی کشمیر کے مسئلہ کے حل کی طرف اقوام متحدہ کی توجہ مبذول کروائی گئی۔ اس دوران قوم میں جذبہ جہاد بیدار کرنے کے لئے الفضل نے نہ صرف نظمیں شائع کیں بلکہ منظوم اداریے بھی لکھے۔ چنانچہ 17 ستمبر 1965ء کے الفضل میں روشن دین تنویر صاحب نے منظوم اداریہ

''تیرے باوا کی ملکیت نہیں کشمیر میرا ہے''

کے عنوان سے شائع کیا جس کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

ایک بوڑھے کشمیری کا رجزیہ

مری تلوار لاؤ چھڑ گئی ہے جنگ دشمن سے
بہت نزدیک آ پہنچا ہے ظالم میرے مسکن سے
مری تلوار لاؤ گر نحیفی ہے تو کیا ڈر ہے
ابھی تو میرا بازو خود جوانی سے قوی تر ہے
مری تلوار اگرچہ سخت زنگ آلود ہے لاؤ
زمانوں سے جو کونے میں پڑی بے سود ہے لاؤ
مری تلوار لاؤ دیر سے یہ خوں کی پیاسی ہے
یہ سالوں کی نہیں پیاسی کئی صدیوں کی پیاسی ہے
مری تلوار لاؤ خوں مرے تن میں ابلتا ہے
مرا ہر رونگٹا شعلہ کی صورت آج جلتا ہے
مری تلوار دو حد ہو چکی اب صبر مشکل ہے
جراحت خوردہ شیر نر کو دل پر جبر مشکل ہے
مری تلوار لاؤ سخت بے انصاف ہے دشمن
ریاکاری کی ہڈی شیطنت کی ناف ہے دشمن
مجھے تلوار دو یہ ہاتھ سے موقعہ نہ کھو جائے
کہ اب تقدیر کا جو فیصلہ ہونا ہے ہو جائے
مری تلوار لاؤ آج سب جھگڑے چکا ڈالوں
پڑے ہیں جو عدو کی آنکھ پر پردے اٹھا ڈالوں
مری تلوار لاؤ جلد لاؤ وقت جاتا ہے
ادھر دو۔ آہ ظالم لے سنبھل جا وار آتا ہے
او بے انصاف اب تو مان اجل نے تجھ کو گھیرا ہے
ترے باوا کی ملکیت نہیں کشمیر میرا ہے

اسی طرح 1971ء کی جنگ میں بھی الفضل نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

خواتین کو متحرک کیا

جنگ ہو یا قوم پر آنے والا کوئی اور مشکل وقت۔ اس میں اگر عورتیں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کریں تو ہر مشکل کا مقابلہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ستمبر کی جنگ میں احمدی عورتوں میں قربانی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے الفضل نے بھرپور مہم چلائی اور خواتین کو مختلف طریق بتائے گئے جس سے وہ ملکی دفاع میں حصہ لے سکتی تھیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں 22 ستمبر 1965ء کے الفضل میں ''احمدی خواتین کا ملکی دفاع میں حصہ'' کے عنوان سے حضرت سیدہ ام متین مریم صدیقہ صاحبہ کے ارشادات الفضل نے شائع کئے۔ جس میں نہایت عمدہ پیرائے میں احمدی خواتین کو جنگ میں بھرپور کردار ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ آپ فرماتی ہیں۔

آپ جب قرون اولیٰ کی جنگوں کا حال تاریخوں میں پڑھتی ہوں گی تو بہت سی بہنوں کے دل میں خیال آتا ہوگا کہ اگر ہم اس وقت ہوتیں تو یوں قربانیاں دیتیں لیکن میری بہنو! اب (دین حق) پر ایک کڑا وقت آیا ہے۔ (-) جہاں ہماری بہادر اور قابل فخر فوجیں ملک کا دفاع کر رہی ہیں وہاں آپ پر بھی ملکی دفاع کا بہت بڑا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ میں وہ چند باتیں درج ذیل کرتی ہوں جن پر عمل کرنا آپ کے لئے بہت ضروری ہے۔

1۔ ہمارا آخری سہارا مولیٰ کریم ہے جو اپنے بندوں کی عاجزی کو پسند کرتا اور اس کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ ان دنوں میں ہمیں چاہئے کہ باقاعدہ رات کو عبادت کریں۔ عبادات کے علاوہ دن کو نوافل بھی ادا کریں اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر پاکستان کی سلامتی مسلمان کی بقا، مسلمان فوجوں کی کامیابی اور دین حق کی ترقی کی دعائیں مانگیں۔

2۔ کسی موقع پر بھی اپنے اوسان نہ خطا ہونے دیں۔ مومن بہادر ہوتا ہے اپنے بچوں میں بھی بہادری کا جذبہ اور قوم و ملک کے لئے قربانی کا جذبہ پیدا کریں۔

3۔ افواہیں نہ پھیلائیں۔ یہ صریحاً (دین حق) کی تعلیم کے خلاف اور ملک کے مفاد کے منافی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ آپ کی سادگی سے کوئی بات کسی دوسرے کو بتا دیں جو ملک کے مفاد کے خلاف ہو اس لئے سنی سنائی باتیں دوسروں تک پہنچانے سے پرہیز کریں۔ یہ بہت بڑی اخلاقی مدد ہوگی جو آپ پاکستان کی کریں گی۔

4۔ ہر احمدی عورت ابتدائی طبی امداد کی ٹریننگ حاصل کرے۔ تا وقت پڑنے پر ملک کے لئے فائدہ مند ثابت ہوسکے۔ تمام شہری لجنات کو ابتدائی طبی امداد سکھانے کا انتظام کرنا چاہئے۔

5۔ ''قومی دفاعی فنڈ'' میں حصہ لیجئے۔ اپنے اخراجات میں کمی کریں اپنے کھانے پینے کپڑوں اور روزمرہ کے اخراجات میں جس قدر کفایت ہوسکے کریں اور روپیہ بچا کر ملک کی حفاظت اور مجاہدین کے اخراجات کے لئے دیں۔

6۔ ہماری بہنیں مجاہدین پاکستان کے لئے سویٹر بُن کر بھجوائیں اور اس کے علاوہ تمام اشیاء جن کے لئے ریڈ کراس یا گورنمنٹ کی طرف سے اعلان کیا جا رہا ہے جمع کر کے بھجوائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ آپ ملک کے دفاع میں حصہ لے سکیں۔

قومی دفاعی فنڈ

1965ء کی جنگ میں جب صدر پاکستان نے قومی دفاعی فنڈ قائم کیا تو الفضل نے بار بار تحریک کی کہ اہل وطن بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیں اور جماعت احمدیہ کی مختلف تنظیموں کی طرف سے جو رقم اس میں بھجوائی گئی اس کے بھی اعلانات الفضل نے شائع کئے تا کہ عوام میں مزید تحریک پیدا ہو۔

چنانچہ 14 ستمبر 1965ء کے الفضل کے پہلے صفحہ پر اس شہ سرخی کے ساتھ یہ اعلان شائع ہوا ''صدر مملکت کے قومی دفاعی فنڈ میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے ایک لاکھ روپے کی نقد ادائیگی''

یہ سرخی تھی اور اس کے بعد تفصیل میں احباب سے اپیل کی گئی کہ وہ بڑھ چڑھ کر اس فنڈ میں اپنے عطیات پیش کریں۔ چنانچہ الفضل لکھتا ہے کہ

صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی اپیل پر کہ اہل پاکستان قومی دفاعی فنڈ میں نہایت فراخ دلی کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ (۔) حضرت مصلح موعود کی منظوری سے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے قومی دفاعی فنڈ میں ایک لاکھ روپیہ بھجوا دیا گیا ہے۔ نیز صدر مملکت کو یہ یقین بھی دلایا گیا ہے کہ (اللہ نے چاہا تو) پاکستان کی جماعت ہائے احمدیہ اور ان کے افراد قومی دفاع کی خاطر دیگر مطلوبہ قربانیوں کے ساتھ ساتھ حسب استطاعت مالی قربانیاں پیش کرنے میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ چنانچہ پاکستان کی جملہ جماعت ہائے احمدیہ اور ان کے ایثار پیشہ افراد سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اس نازک موقعہ پر اپنی شاندار روایات کو برقرار رکھتے ہوئے صدر مملکت کے قائم کردہ قومی دفاعی فنڈ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور حسب استطاعت فوری طور پر زیادہ سے زیادہ رقوم اس فنڈ میں بھجوائیں۔ احباب کو یاد رکھنا چاہئے کہ وطن عزیز کی حفاظت ہر شہری کا مقدس فرض ہے۔

(الفضل 14 ستمبر 1965ء)

شہریوں اور دیگر احمدیوں نے اس فنڈ میں جو عطیات پیش کئے اس کی مستقل خبریں الفضل دیتا رہا۔ 17 ستمبر 1965ء کے الفضل کے پہلے صفحہ پر خبر شائع ہوئی۔

''ربوہ کے تمام شہری اپنی ایک ماہ کی آمد کا تیسرا حصہ قومی دفاعی فنڈ میں دیں گے۔ حکام کو زخمی فوجیوں کے واسطے خون دینے کا ہر مطالبہ پورا کرنے کی پیشکش پاکستان کی نمایاں اور فیصلہ کن فتح کے لئے ربوہ کی جملہ (بیوت الذکر) میں خصوصی دعائیں اور نوافل کی ادائیگی''

لجنہ اماء اللہ ربوہ نے دس ہزار روپے قومی دفاعی فنڈ میں پیش کر دیئے۔

صدر انجمن احمدیہ کے کارکنان نے قومی دفاعی فنڈ کے لئے پینتیس ہزار روپیہ جمع کر لیا۔ اس کی تفصیل دیتے ہوئے اخبار لکھتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ نے قومی دفاعی فنڈ کی تحریک ہوتے ہی ایک لاکھ روپیہ کی رقم اس فنڈ میں جمع کرا دی تھی اور تمام انجمن ہائے احمدیہ کو پُر زور تحریک کی تھی کہ وہ فراخ دلی سے اس میں حصہ لیں۔ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے بھی فوری طور پر دس ہزار روپے کی رقم جمع کرا دی۔ بیرونی جماعتوں سے نہایت خوشکن اطلاعات آرہی ہیں کہ جماعت کے افراد مرد و زن دل کھول کر چندہ دے رہے ہیں اور مقامی افسران سے ہر طرح تعاون کر رہے ہیں۔ ربوہ میں صرف کارکنان صدر انجمن احمدیہ نے اس فنڈ کے لئے 35000 روپیہ جمع کر لیا ہے انہوں نے دیگر اہالیان ربوہ کی طرح اپنی دس دن کی آمد اس فنڈ میں جمع کرانے کے لئے پیش کی ہے۔

روزنامہ الفضل نے صرف ملکی تعمیر و ترقی کے لئے ہی اپنا بھرپور کردار ادا کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عالم اسلام پر جب بھی کوئی مشکل وقت آیا الفضل نے ہمیشہ مثبت رنگ میں قوم کی راہنمائی کی۔ چنانچہ خلیج کی جنگ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے مسلسل خطبات دیئے اور وہ خطبات اتنے مفید تھے کہ اگر ان پر عمل کیا جاتا تو خلیج کی جنگ سے ہی عالم اسلام کے لئے ترقی کی نئی راہیں کھل جاتیں اور ان خطبات سے راہنمائی لیتے ہوئے بغیر نام لئے ملک کے بعض معروف کالم نویسوں نے کالم بھی لکھے۔ ان خطبات کو فوری طور پر احباب جماعت کے سامنے لانے کا سہرا بھی الفضل کے سر تھا۔ جو فوراً ان خطبات کو شائع کرتا۔ اس کے علاوہ بوسنیا، چیچنیا اور فلسطین کے مسائل پر بھی الفضل نے ائمہ احمدیت کے ارشادات کی روشنی میں مناسب راہنمائی فرمائی۔

اس کے علاوہ الفضل نے اردو زبان کی ترویج اور فروغ کے لئے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ اب ہم اس کا مختصراً جائزہ پیش کرتے ہیں۔

اردو زبان کے فروغ کے لئے الفضل کا کردار

اردو زبان اپنی ترقی اور فروغ کے لئے ہمیشہ جماعت احمدیہ کی ممنون احسان رہے گی۔ کیونکہ جماعت احمدیہ کی بدولت ہی اردو برصغیر سے نکل کر دنیا کے کناروں تک پہنچی اور آج جہاں جہاں احمدیت موجود ہے وہاں کسی نہ کسی رنگ میں اردو کو جاننے والے موجود ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے جو روحانی خزائن دنیا کو عطا کئے وہ اکثر اردو زبان میں ہی تھے اور آج تو جماعت احمدیہ کا الیکٹرانک میڈیا بھی باقاعدہ اردو زبان سکھلانے کے لئے کلاسیں نشر کر رہا ہے۔ جن میں حضرت امام جماعت احمدیہ بنفس نفیس شریک ہو کر بچوں اور بڑوں کو دینی علوم کے ساتھ اردو زبان سکھاتے ہیں۔

اس کے علاوہ الفضل نے بھی اردو کے فروغ کے لئے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس وقت ہم خصوصیت سے قیام پاکستان سے قبل جو اردو زبان کے خلاف ہندوؤں کی مختلف تحریکیں چلیں ان میں الفضل کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں۔

سردار پٹیل ہندوستان ریڈیو سٹیشن کے جب انچارج بنے تو با قاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اردو کی نشریات میں عربی اور فارسی کے مانوس الفاظ کی جگہ سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ کا استعمال کثرت سے ہونے لگا۔ اس پر جون 1947ء کے الفضل میں آل انڈیا ریڈیو کی زبان ''اردو'' پر دست درازی غیر مانوس ہندی الفاظ کی بھرمار کے عنوان سے شائع ہوا جس میں ارباب حل وعقد سے اپیل کی گئی کہ وہ اردو سے تعصب کا مظاہرہ نہ کریں اور سردار پٹیل کے تعصب کا ذکر کرتے ہوئے اخبار لکھتا ہے کہ:

تعصب اور تنگدلی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی کہ محض اس جرم میں اردو کو تدریجاً ہندی زبان کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اس میں بدقسمتی سے ایسے الفاظ بھی موجود ہیں۔ جو مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے دو زبانوں یعنی عربی اور فارسی سے لئے گئے ہیں۔ اول تو ویسے ہی آل انڈیا ریڈیو کے پروگراموں میں اب پہلے کی نسبت ہندی کا حصہ بہت زیادہ ہو اور اردو کا حصہ بہت کم کر دیا گیا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی سردار پٹیل کی ہندی نوازی اور اردو دشمنی کی ذہنیت مطمئن نہیں ہوئی۔ کیونکہ خبریں نشر کرنے کے لئے بعد زبان اب اردو یا ہندوستانی کے طور پر استعال کی جاتی ہے۔ اس میں سے بڑی سرعت کے ساتھ چن چن کر عربی اور فارسی کے مانوس الفاظ کو نکالا جا رہا ہے اور ان کی جگہ ہندی یا سنسکرت کے ایسے غیر مانوس الفاظ داخل کئے جا رہے ہیں۔ جو مسلمانوں کو الگ رہے خود ہندوؤں کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اس کے بعد اخبار لکھتا ہے۔

شاید خیال کیا جاتا ہے کہ اس طریق سے اردو کو مٹایا جا سکتا ہے اور اس کی جگہ ہندی اور سنسکرت کو رائج کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا خیال کرنے والے احباب خود یاد رکھیں کہ اردو کو عارضی طور پر کچھ نقصان تو بیشک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن زبان اردو کو مٹایا نہیں جا سکتا اور نہ مستقل طور پر اس کی ترقی کو روکا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کے ذریعہ سے اس زبان کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

اور اس کو ایسی برکت عطا فرمادی ہے کہ وہ ہزاروں مخالفانہ کوششوں کے باوجود پھیلتی پھولتی جائے گی حتیٰ کہ احمدیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہر ملک اور ہر علاقہ میں رائج ہو جائے گی اور اسے ایک بین الاقوامی حیثیت ہو جائے گی۔

اس کے بعد 31 جولائی 1947ء کے الفضل میں بھی ''ہندوستانی زبان'' کے عنوان سے مضمون شائع ہوا جس میں ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' میں شائع ہونے والے ایک ہندو کے خط کا جواب دیا گیا۔ ہندو نے موقف اختیار کیا تھا کہ سنسکرت ہی ہندوستان کی اصل زبان ہے اس لئے اس کے الفاظ ہی اردو زبان میں شامل کرنے چاہئیں۔ اس کے جواب میں الفضل نے دلائل دیتے ہوئے لکھا کہ

''ہندوستان کی مشترکہ زبان بننے کا کسی زبان کو حق ہے تو اسی زبان کو ہے جو قدرتاً یہاں ارتقاء پذیر ہوئی ہے۔ اب زبردستی اس کی ہیئت تبدیل کرنا اور اس میں سنسکرت جیسی مردہ زبان کے نہایت غیر مانوس الفاظ ٹھونسنا اس کو ہندوستانی زبان نہیں رہنے دے گا''۔ (الفضل 31 جولائی 1947ء)

غرض الفضل نے ہر رنگ میں ملک وقوم کی خدمت کی۔

ہومیوپیتھی کے فروغ میں الفضل کا کردار

پاکستان اور اکثر ترقی پذیر ممالک کو جن بنیادی مسائل کا سامنا ہے ان میں سے ایک صحت کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ ان ممالک کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ اپنے عوام کی صحت کے مسائل سے باحسن طور پر عہدہ برآ ہو سکیں۔ پاکستان میں تو اس وقت طبی سہولتوں کا اس قدر فقدان ہے کہ 2,364 افراد کے لئے ایک ڈاکٹر اور 1,706 افراد کے لئے ہسپتال کا ایک بستر ہے اور ایلوپیتھی طریقہ علاج اس قدر مہنگا ہے کہ پاکستان میں ہر فرد کے لئے ممکن ہی نہیں کہ علاج کروا سکے ایسے حالات میں ایسے طریقہ علاج کی ضرورت تھی جو سستا اور موثر ہو۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے ہومیوپیتھی کے فروغ کی تحریک کی اور احمدیہ ٹیلی ویژن پر باقاعدگی سے ہومیوپیتھی کلاس کا اجراء فرمایا۔ الفضل کے ذریعہ ہی یہ کلاسیں تحریری شکل میں جماعت احمدیہ اور دیگر افراد تک پہنچتی ہیں اس طرح انہیں ایک سستا اور سریع الاثر اور انتہائی صاف و شفاف علاج فراہم ہو سکتا ہے۔

غرض تعمیر و ترقی پاکستان میں ''الفضل'' کی صحافت نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ تحریک پاکستان ہو یا اس کے بعد تعمیر و ترقی پاکستان جماعت احمدیہ کی صحافت

نے مروجہ صحافت کے برعکس ائمہ احمدیت کے ارشادات کی روشنی میں مناسب راہنمائی فرمائی اور انتہائی کم وسائل کے باوجود پاکستان کے استحکام کے لئے بھرپور کردار ادا کیا۔ گو آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی الفضل پر قدغنیں لگائی گئیں۔ کبھی اس کو بند کیا گیا اور کبھی مدیران پر مقدمے بنائے گئے اور دلچسپ امر تو یہ ہے کہ چونکہ جماعت احمدیہ پاکستان ربوہ سے نکلنے والے اخبارات و جرائد کا پرنٹر ایک ہی ہے اس لئے اس مظلوم پر بننے والے مقدمات کی تعداد 100 کے قریب پہنچ چکی ہے جو کہ شاید ایک ریکارڈ ہو۔ عرصہ دراز سے الفضل کو ایک بھی سرکاری اشتہار نہیں ملا۔ ان سب باتوں کے باوجود جماعت احمدیہ کی صحافت کا تو یہی نصب العین ہے کہ ہر رنگ میں ملک و قوم کی خدمت کی جائے اور اللہ کے فضل سے الفضل اس فریضہ کو احسن رنگ میں انجام دے رہا ہے۔

(بقیہ صفحہ 2)

1993ء

صدر اسحاق نے ایک مرتبہ پھر اسمبلیاں توڑ دیں، بلخ شیر مزاری کو نگران وزیراعظم بنا دیا گیا، سپریم کورٹ نے حکم دیا کہ اسمبلیوں کی تحلیل غیر قانونی تھی جس پر اسمبلیاں بحال ہوگئیں اور نواز شریف پھر وزیراعظم بن گئے، لیکن بعدازاں نواز شریف مستعفی ہوگئے، اس کے بعد معین قریشی نگران وزیراعظم بن گئے، انتخابات میں پیپلز پارٹی کی فتح کے بعد بے نظیر بھٹو پھر وزیراعظم بن گئیں۔

1996ء

صدر فاروق لغاری نے قومی اسمبلی توڑ دی، ملک معراج خالد نگران وزیراعظم بنے۔

1997ء

عام انتخابات منعقد ہوئے جس میں مسلم لیگ ن کو کامیابی حاصل ہوئی اور نواز شریف وزیراعظم بنے۔

1998ء

پاکستان نے پہلی مرتبہ ایٹمی دھماکے کئے۔ یہ دھماکے چاغی میں کئے گئے۔

1999ء

پاکستان اور بھارت کے درمیان کارگل تنازع ہوا، جنرل مشرف نے نواز شریف حکومت برطرف کر دی اور خود چیف ایگزیکٹو بن گئے۔

2000ء

سابق وزیراعظم نواز شریف ان کے بھائی شہباز شریف اہل خانہ کو سعودی عرب جلاوطن کر دیا گیا۔

2001ء

امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر دیا، پاکستان دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فرنٹ لائن سٹیٹ بن گیا۔

2002ء

صدر مشرف نے ملک میں انتخابات کرائے، میر ظفر اللہ جمالی وزیراعظم بن گئے۔

2003ء

ظفر اللہ جمالی وزیراعظم کے عہدے سے مستعفی ہوگئے، ان کے بعد شجاعت حسین نگران وزیراعظم بنے۔ بعدازاں شوکت عزیز کو وزیراعظم منتخب کر لیا گیا۔

2005ء

پاکستان کے شمالی علاقوں میں خوفناک زلزلے نے تباہی مچادی۔ ایک لاکھ سے زائد افراد ہلاک جبکہ لاکھوں افراد بے گھر ہوگئے۔

2006ء

بلوچستان کے سابق گورنر اور وزیراعلیٰ نواب اکبر بگٹی سیکیورٹی فورسز کے ساتھ ایک جھڑپ میں جاں بحق ہوگئے۔

9 مارچ 2007ء

صدر مشرف نے چیف جسٹس افتخار چودھری کو معطل کر دیا جنہیں 20 جولائی کو سپریم کورٹ نے بحال کر دیا، سانحہ لال مسجد ہوا، ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کی خبریں گردش کرتی رہیں۔ بے نظیر بھٹو کو راولپنڈی میں قتل کر دیا گیا۔

2008ء

پاکستان کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی اور ن لیگ نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ یوسف رضا گیلانی وزیراعظم بن گئے۔

اشتہارات

تبرکات

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب

قائداعظم محمد علی جناح کی تین نمایاں صفات

پاکستان کے بانی اور پہلے گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح کی اچانک اور المناک وفات کی خبر ساری دنیا میں پہنچ کر مرنے والے لیڈر کے لئے جسے اس کی قوم کی طرف سے قائداعظم کا جلیل القدر خطاب ملا تھا۔خراج تحسین وعقیدت حاصل کر چکی ہے۔خدا کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے البتہ وہ چیز جسے خدا نے اپنی خاص توجہ سے دائمی بقا کے لئے چن لیا ہو وہ ضرور باقی رہتی اور خدا کے قیوم ہونے کا علمی ثبوت مہیا کرتی ہے۔اس اصول کے ماتحت انسان کا مادی جسم فانی قرار دیا گیا ہے اور اس کی روح ہمیشہ کی زندگی پانے والی قرار پائی ہے۔پس گو قائداعظم کا جسم خاکی سپرد خاک ہو کر اپنے دنیوی دور زندگی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر چکا ہے۔مگر ان کی روح اپنے اچھے اور شاندار اعمال کے ساتھ زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔

خدائی تقدیر دنیا کے میدان میں بھی خاص خاص شخصیتیں پیدا کرتی رہتی ہے

میرا یقین ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ دنیا کی دینی اور روحانی حیات اور ترقی کے لئے انبیاء و مرسلین کا وجود پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ بعض اوقات دنیا کی مادی اور قومی اور سیاسی اور علمی ترقی کے لئے بھی بعض خاص خاص وجود پیدا کرتا ہے۔کیونکہ گو انسانی زندگی کا اصل مقصد خدا کا تعلق ہے مگر اس بات میں کیا شک ہے کہ اس تعلق سے اتر کر دنیا کی مادی اور علمی ترقی بھی خدا کی توجہ کے دائرہ سے باہر نہیں سمجھی جا سکتی۔ظاہر ہے کہ جب دین کے علاوہ خدا نے اس دنیا کے تمام مفید شعبوں کو بھی چلانا اور ترقی دینا ہے۔تو پھر اس کی نصرت کا دائرہ صرف اخروی امور تک ہی محدود نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ خدا اپنی باریک در باریک حکیمانہ قدرت سے ہر دنیوی میدان کی ترقی کے لئے بھی سامان پیدا فرماتا ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ دنیا کی بہت سی مفید ایجادیں بھی ایک رنگ کے غیبی القاء اور خدائی نصرت کے ماتحت وقوع میں آئی ہیں بہرحال اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ نہ صرف مخصوص دینی اور روحانی میدان میں بلکہ ہر قسم کے میدان میں جو بنی نوع انسان کے لئے مفید ہو اپنے بعض بندوں کی نصرت فرما کر انسانیت کی ترقی کے سامان پیدا کرتا ہے اور یقیناً اس کی یہ سنت مسلمانوں کے ساتھ زیادہ مخصوص ہے۔کیونکہ وہ اس کے محبوب رسول اور اولین و آخرین کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہونے والی قوم ہے۔

قائداعظم کا سب سے نمایاں کارنامہ سیاسی اتحاد کا قیام ہے

میں سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی مشیت نے قائداعظم محمد علی جناح کو بھی اسی رنگ میں اپنی نصرت سے نوازا اور ان کے ذریعہ براعظم کے مسلمان کا سیاسی شیرازہ غیر معمولی رنگ میں متحد کر دیا۔قائداعظم میں بہت سی خوبیاں تھیں۔مگر ان کا جو کام سب سے نمایاں ہو کر نظر آتا ہے وہ یقیناً یہی ہے کہ ان کے ذریعے مسلمانان ہندوستان (میری مراد تقسیم سے پہلے کا ہندوستان ہے) ایسے سیاسی اتحاد کی لڑی میں پروئے گئے جو اس سے پہلے بالکل مفقود تھا۔لوگ کہتے ہیں کہ قائداعظم کا سب سے بڑا کارنامہ پاکستان کا وجود ہے۔میں کہتا ہوں کہ بیشک پاکستان کا وجود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جو غالباً دنیائے سیاست میں عدیم المثال سمجھا جا سکتا ہے۔مگر میری نگاہ قائداعظم محمد علی جناح کے اس کارنامہ کی طرف زیادہ اٹھتی ہے جو خود تو پاکستان نہیں مگر پاکستان کو وجود میں لانے کا سب سے بڑا بلکہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے گویا واحد ذریعہ ہے۔میری مراد مسلمانوں کا سیاسی اتحاد ہے جس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اتحاد میں وہ برکت اور وہ طاقت ہے جو دنیا کی اور کسی چیز کو حاصل نہیں۔قائداعظم سے پہلے ہندوستان کے مسلمان سیاسی لحاظ سے ایک منتشر گلہ کی صورت میں تھے۔جس کی بھیڑیں دو دو چار کی ٹولیوں میں ادھر ادھر پھرتی ہوئی جنگل کے بھیڑیوں کا شکار ہو رہی تھیں اور جو چاہتا ان کی جس ٹولی کو پکڑ کر اپنے پیچھے یا کسی دوسرے کے پیچھے لگا لیتا تھا اور اس طرح مسلمانوں کے سواد اعظم کا سارا زور آپس کے تفرقہ اور انشقاق کی نذر ہو رہا تھا اور اسلام کا ہوشیار دشمن مسلمانوں کی اس کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھانے میں مصروف تھا۔مگر خدا نے ہاں ہمارے علیم و قدیر خدا نے محمد علی جناح کو یہ توفیق عطا کی کہ اس کے ذریعہ ہندوستان کے پچانوے فیصدی مسلمان سیاسی اتحاد کی لڑی میں پروئے گئے اور جب یہ اتحاد قائم ہو گیا تو پھر اس اتحاد کا وہ لازمی اور طبعی نتیجہ بھی فوراً ظہور میں آ گیا۔جو ازل سے مقدر تھا۔یعنی فریق مخالف نے ہتھیار ڈال کر مسلمانوں کے متحدہ مطالبہ کو مان لیا۔کیونکہ دس کروڑ کی قوم کے متحدہ مطالبہ کو رد کرنا دنیا کی کسی طاقت کے اختیار میں نہیں ہے۔پس میں قائداعظم کے کارناموں میں مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کو نمبر 1 پر رکھوں گا اور پاکستان کے وجود کو نمبر 2 پر اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر عقلمند شخص میرے اس نظریہ سے اتفاق کرے گا۔

قائداعظم کا عزم واستقلال

مسلمانوں کے سیاسی،اتحاد اور پاکستان کے وجود کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کا سب سے بڑا کام اور سب سے بڑا وصف ان کا عزم و استقلال تھا۔دنیا جانتی ہے کہ ان کے رستہ میں بعض اوقات ایسی ایسی مشکلات پیش آئیں کہ وہ اکثر انسانوں کو بے دل کرنے اور ہمت ہار کر سمجھوتہ کر لینے پر مجبور کر دیتی ہیں مگر قائداعظم محمد علی جناح ہمیشہ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور مسلمانوں کی کشتی کو نہایت عزم و استقلال کے ساتھ چلاتے اور اردگرد کی چٹانوں سے بچاتے ہوئے منزل مقصود پر لے آئے۔بعض اوقات درمیان میں ایسے نازک مواقع بھی آئے کہ جب دنیا نے انہیں بظاہر سمجھوتے کی طرف مائل ہوتے ہوئے محسوس کیا اور گو وقتی حالات کے ماتحت وقتی سمجھوتے قابل اعتراض نہیں ہوتے مگر بعد کے حالات نے بتا دیا کہ یہ صرف فریق ثانی کے ساتھ گفت وشنید کا ایک حکیمانہ انداز تھا اور یہ کہ آخری مقصد کو کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ ریڈیو کی رپورٹ کے مطابق دہلی کے مشہور اخبار ہندوستان ٹائمز کے مسٹر جناح کی وفات پر تبصرہ کرتے ہی یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ”مسٹر جناح نے دنیا کے سب سے بڑے سیاستدان (غالباً پنڈت نہرو کی طرف اشارہ ہے) کے ساتھ زور آزمائی کی اور اس مقابلہ میں فتح پائی“۔

سب کے ساتھ مساویانہ سلوک

قائداعظم محمد علی جناح کا تیسرا نمایاں وصف ہر قسم کی پارٹی بندی سے بالا ہو کر غیر جانبدارانہ انصاف پر قائم رہنا تھا۔یہ وصف بھی قومی ترقی اور ملکی استحکام کے لئے نہایت ضروری چیز ہے اور پاکستان کے سب سے پہلے گورنر جنرل نے اس معاملہ میں بہترین مثال قائم کر کے پاکستان کی حکومت کے لئے ایک دائمی مشعل راہ پیدا کر دی ہے۔قائداعظم کے نزدیک پاکستان کے شیعہ اور سنی، احمدی اور اہل حدیث، پارسی اور عیسائی اور پھر نام نہاد اچھوت اور غیر اچھوت سب ایک تھے اور ان کے لئے صرف یہی ایک معیار قابل لحاظ تھا کہ ایک شخص کام کا اہل ہو اور یہ وہی زریں معیار ہے جس کی طرف قرآن شریف نے ان مبارک الفاظ میں توجہ دلائی۔اے مسلمانو خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ چونکہ حکومت کے عہدے ایک ملکی امانت ہیں۔پس تم ہمیشہ اس امانت کو اہل لوگوں کے سپرد کیا کرو خواہ وہ کوئی ہوں اور پھر جو شخص کسی عہدہ پر مقرر ہو اس کا فرض ہے کہ سب لوگوں کے درمیان کامل عدل کا معاملہ کرے“۔

مرنے والے لیڈر میں خوبیاں تو بہت تھیں مگر میں اس جگہ صرف ان تین بنیادی خوبیوں کے ذکر پر ہی اکتفا کرتا ہوں یعنی (1) اتحاد و تنظیم (2) عزم واستقلال اور (3) سب کے ساتھ مساویانہ سلوک اور میں پاکستان کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان خوبیوں کو اپنا مشعل راہ بناویں۔کیونکہ قائداعظم محمد علی جناح کی یہی بہترین یادگار ہو سکتی ہے کہ ان کے نیک اوصاف کو زندہ رکھا جائے اور دراصل دنیا میں زندہ بھی وہی شخص رہتا ہے جس کی قوم اس کی یاد کو زندہ رکھتی ہے۔

(الفضل مورخہ 16 ستمبر 1948ء)

اشتہارات

نغمۂ آزادی

14؍اگست کے موقع پر

آزادی کا نغمہ لکھ تو آزادی کا نغمہ گا!
آزادی کی خاطر ہر پل ہر دم اپنی جان سے جا
آزادی ہے زندہ باد آزادی پائندہ باد

سبز ہلالی پرچم سے کیا جگمگ جگمگ راہیں ہیں
مہکی مہکی خوشبوؤں میں بھیگی بھیگی شامیں ہیں
ابرِ کرم کے گیسو ہیں تو بجلیوں کی بانہیں ہیں
ساگر،دریا، جھیل ، سمندر جل تھل مری آنکھیں ہیں
کھیت سنہرے گندم سے تو سونا اگلے ہیں صحرا
آزادی کی خاطر ہر پل ہر دم اپنی جان سے جا

ارضِ وطن کا قائم رہنا قسمت بھی تقدیر بھی ہے
سوہنے وطن کا قریہ قریہ قائد کی تصویر بھی ہے
نعروں میں سے قوم کا نعرہ نعرہ تکبیر بھی ہے
قوم کی خاطر جینا مرنا نعرے کی تفسیر بھی ہے
جس نے جیون وار دیا ہو اس کو موت سے ڈرنا کیا
آزادی کی خاطر ہر پل ہر دم اپنی جان سے جا

پاکستان کا ذرہ ذرہ اپنی عزت اپنی جان!
ماؤں، بہنوں اور بیٹوں کا بس یہی دارالامان
قوم کا بچہ بچہ اپنے ملک و ملت پر قربان
اس کی آزادی کی خاطر سینہ سپر کڑیل جوان
لاکھوں جانوں کا نذرانہ دے کر پاکستان ملا
آزادی کی خاطر ہر پل ہر دم اپنی جان سے جا

پاکستان کی جوہری قوت، امن محبت اور اخوت
خوشحالی کا سرچشمہ ہے یہی ہماری ہے دولت
دور کریں گے غربت اس سے مٹ جائے ساری قلت
جنت کا مصداق بنیں گے اس سے ہی ملک و ملت
پیار سے بازی جیتیں گے اب تیر تفنگ سے لڑنا کیا
آزادی کی خاطر ہر پل، ہر دم اپنی جان سے جا!
آزادی ہے زندہ باد، آزادی پائندہ باد!

پروفیسر کرامت راجؔ

اشتہارات

مکرم ڈاکٹر مقبول احمد صدیقی صاحب

محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو اسلامی ممالک کا خراج تحسین و اعزازات

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے متعلق کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ عبدالسلام جیسے افراد پر کسی ایک فرقہ، قوم یا ملک کی اجارہ داری نہیں ہوتی بلکہ ایسے نامی و گرامی لوگوں کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے اور وہ تمام دنیا بلکہ تمام بنی نوع انسان کی ملکیت ہوتے ہیں کچھ ایسے ہی الفاظ روزنامہ امروز لاہور نے اپنے 17/اکتوبر 1979ء میں کچھ اس طرح سے لکھے۔

پروفیسر عبدالسلام کو 1979ء کا فزکس کا سب بڑا اور سب سے معتبر اعزاز نوبیل پرائز علم و ہنر کے میدان میں ان کے شاندار کارناموں کی روشن کتاب کا درخشندہ باب ہے۔ یہ اعزاز صرف جھنگ کا نہیں .... یہ اعزاز صرف گورنمنٹ کالج جھنگ و لاہور اور پنجاب کی دانش گاہ کا ہی نہیں .... یہ اعزاز محض پاکستان کا بھی نہیں ہے .... یہ اعزاز ان ترقی پذیر ملکوں اور اقتصادی لحاظ سے پسماندہ قوموں کا بھی ہے جن کے سوچنے والے دماغوں پر ایک طویل عرصہ تک سامراجی پنجے گڑے رہے اور جن کی استعداد کار پر استحصال کے پردے بیٹھے رہے۔

(روزنامہ امروز 17/اکتوبر 1979ء)

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام ایک ایسی عظیم ہستی تھے جن کی مسحور کن، قابل اور ہمدرد و مشفق شخصیت نے پوری دنیا کو متاثر کیا تاہم افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تاریخی حقائق سے نا آشنا بعض تنگ نظر افراد ڈاکٹر عبدالسلام صاحب پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ کی خدمات کا یا عظمت کا اعتراف کسی خاص مقصد کی وجہ سے دنیا کے ایک خاص طبقے نے ہی کیا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے افراد اگر اپنی بند آنکھیں کھول لیں تو انہیں نظر آ جائے گا کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی خدمات کا اعتراف دنیا کے کسی ایک خطے یا ایک طبقے نے ہی نہیں کیا یا ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے کسی ایک خطے یا طبقے کو متاثر نہیں کیا بلکہ آپ کی مسحور کن شخصیت اور خدمات نے پوری دنیا کو متاثر کر دیا چنانچہ آپ کی سائنس اور انسانیت کے لئے کی گئی خدمات کا اعتراف مغرب نے بھی کیا، مشرق نے بھی کیا گوروں نے بھی کیا کالوں نے بھی کیا دوستوں نے بھی کیا اور دشمنوں نے بھی کیا تمام براعظموں نے آپ کی عظمت کو تسلیم کیا۔

تاہم فی الحال میرا موضوع یہ ہے کہ اسلامی ممالک سے آپ کو کیا کیا اعزازات ملے تھے، کیا کیا خراج تحسین ان ممالک کی طرف سے پیش کیا گیا، یہ اسلامی ممالک بھی مختلف براعظموں سے تعلق رکھنے والے تھے مختلف زبانیں بولنے والے تھے پھر ان ممالک نے آپ کی خدمات یا عظمتوں کا اعتراف بھی کسی خاص ایک ہی موقع پر نہیں یا کسی ایک خاص سال ہی نہیں بلکہ مختلف سالوں بلکہ مختلف دہائیوں میں کیا۔

اس کی ایک جھلک ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

براعظم ایشیا کے اسلامی ممالک

پاکستان

براعظم ایشیا میں واقع ملک پاکستان اسلامی دنیا میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے یہ واحد اسلامی ملک ہے جو ایٹمی طاقت رکھتا ہے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب 29 جنوری 1926ء کو اسی ملک کے شہر جھنگ میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا بچپن اپنی جوانی اور عمر کا ایک حصہ اپنے وطن میں گزارا آپ جہاں بھی رہے جن لوگوں کے ساتھ رہے ان سب کو اپنی قابلیت سے متاثر کرتے چلے گئے۔ جس نے بھی آپ کی صحبت یا آپ کی محفل پائی یا آپ کے لیکچرز سنے وہ آپ کی قابلیت کا معترف ہوتا چلا گیا اس کی ایک جھلک درج ذیل ہے۔

1۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب 1961ء سے 1974ء تک 13 سالوں میں 3 حکومتوں ایوب خان، یحیٰی خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے سائنسی مشیر اعلیٰ رہے۔ یاد رہے کہ 1974ء تک حکومتوں میں وزارت سائنس کا علیحدہ شعبہ نہیں ہوتا تھا لہٰذا ڈاکٹر صاحب کی حیثیت بمنزلہ وزیر سائنس کی ہی تسلیم کی جاتی تھی۔

2۔ ڈاکٹر صاحب کو 1959ء میں پاکستان کا دوسرا بڑا سویلین ایوارڈ ستارہ پاکستان دیا گیا اور 1979ء میں حکومت پاکستان نے آپ کو سب سے اعلیٰ اور بڑے سویلین اعزاز نشان امتیاز سے نوازا۔

3۔ 1988ء میں محکمہ ڈاک نے آپ کی تصویر والے یادگاری ٹکٹ کا اجراء کیا۔

4۔ پاکستان کی دو اہم اور بڑی یونیورسٹیوں نے آپ کو ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگریاں دیں۔ نوبیل انعام ملنے سے 22 سال پہلے ہی آپ کی سائنسی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی لاہور نے آپ کو 1957ء میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی جبکہ 1979ء میں اسلام آباد یونیورسٹی (موجودہ نام قائداعظم یونیورسٹی) اسلام آباد کے چانسلر جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی۔

5۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی سائنسی و ملکی خدمات کا زبردست اعتراف پاکستان کے سبھی مشہور اردو، انگریزی اخبارات و جرائد مثلاً روزنامہ نوائے وقت، جنگ، امروز، پاکستان، مشرق، حریت، آجکل، جماعت اسلامی کا روزنامہ تسنیم، الفضل، ہفت روز لاہور انگریزی اخبارات میں ڈان دی نیوز، دی نیشن پاکستان ٹائمز، ہیرلڈ کراچی سندھی اخبارات میں ہلال پاکستان وغیرہ وغیرہ نے کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو نوبیل پرائز ملنے کے بعد اور پھر آپ کی وفات کے بعد کے ایام، ان دونوں مواقع پر درج بالا اخبارات نے بیسیوں مضامین ڈاکٹر صاحب کی تعریف میں شائع کئے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وطن عزیز کے سبھی محبّ وطن طبقات نے آپ کی خدمات کا اعتراف کیا ہے ان اخبارات میں ملک کے اہم سائنسدانوں، سیاستدانوں، اور صحافیوں نے آپ کی زبردست تعریف کی ہے۔

کسی سائنسدان کی عظمت کا صحیح اندازہ ایک سائنسدان ہی لگا سکتا ہے چنانچہ سائنسدانوں میں ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی، منیر احمد خان صاحب، ڈاکٹر اشفاق احمد (تینوں ایٹمی توانائی کمیشن کے بالترتیب دوسرے، تیسرے اور چوتھے چیئرمین تھے) (یاد رہے کہ 1998ء میں پاکستان نے چاغی کے مقام پر جو ایٹمی دھماکے کئے تھے اس کی مکمل نگرانی ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب نے کی تھی) نیز ڈاکٹر احمد محی الدین، ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک اور پرویز ھود بھائی نے برملا اور نہایت خوبصورت لفظوں میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

اب اگر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی حب الوطنی سے بھرپور ملکی خدمات کا پتہ چلانا ہو تو سیاستدانوں میں جو مملکت پاکستان کے سربراہان بھی ہوں میں چوہدری محمد علی چوتھے وزیراعظم، سکندر مرزا پہلے پاکستانی صدر نیز صدر ایوب خان، جنرل یحیٰی خان، ذوالفقار علی بھٹو، جنرل محمد ضیاء الحق آپ کی خدمات کو سراہتے نظر آتے ہیں۔ صحافیوں میں روزنامہ جنگ کے بانی میر خلیل الرحمٰن اسی طرح جمیل الدین عالی، میاں محمد شفیع اور ڈاکٹر عبدالسلام خورشید جیسے بڑے بڑے صحافیوں نے پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی خدمات اور عظمتوں کو تسلیم کیا ہے۔

نوٹ:۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو پاکستان سے ملنے والے اعزازات و خراج تحسین و خراج عقیدت کی فہرست کافی طویل ہے مضمون کی طوالت کے پیش نظر ایک موٹی سی جھلک ہی اوپر درج کی گئی ہے۔

بنگلہ دیش

بنگلہ دیش جنوبی ایشیا کا ایک بہت اہم اور بڑا ملک ہے۔ بنگالی ملک کی سرکاری زبان ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی سائنسی و عالمگیر امن کے قیام کے لئے خدمات کا اعتراف بنگلہ دیش نے مختلف سالوں خصوصاً 1980ء۔ 1981ء۔ 1986ء۔ 1993ء اور 1996ء میں کیا ہے۔

پاکستان کی طرح بنگلہ دیش کی بھی دو یونیورسٹیوں نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں دیں 1981ء میں چٹاگانگ یونیورسٹی اور 1993ء میں یونیورسٹی آف ڈھاکہ نے آپ کو ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگریاں دیں۔

1980ء میں بنگلہ دیش اکیڈمی برائے سائنس ڈھاکہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اس کے منتخب رکن تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب محض سائنسدان ہی نہ تھے آپ کی کوششیں تو دنیا بھر میں امن کے قیام کے لئے بھی وقف تھیں اس کا اعتراف بنگلہ دیش نے 1986ء میں آپ کو دیمی، بین الاقوامی امن ایوارڈ (Dayemi International Peace award) دے کر کیا۔

21 نومبر 1996ء کو جب پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی وفات ہوئی تو بنگلہ دیشی اخبارات نے آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ اس ضمن میں ڈھاکہ اور چٹاگانگ کے بنگالی اخبارات Janhantha، Sangbad، Dinral، Bazar Patriha، Azadi Bangla، Sangram نیز انگریزی کے اخبارات Daily Star اور Bangladesh Observer کے نومبر اور دسمبر 1996ء کے شماروں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

انڈونیشیا

یہ ملک بھی براعظم ایشیا میں واقع ہے۔ یہ ملک آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ یہاں 90 فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے۔ انڈونیشی (بھاشا) ملک کی سرکاری زبان ہے۔ نومبر 1996ء میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی وفات پر انڈونیشیا کے اخبارات نے آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

www.alislam.org پر ان اخبارات

کے مضامین پڑھے جاسکتے ہیں۔

یورپ کے اسلامی ممالک

ترکی

ترکی ایشیا اور یورپ کے اتصال پر واقع ہے۔ یہ بہت ہی اہم اور مشہور اسلامی ملک ہے یہاں خواندگی کا تناسب 90 فیصد سے بھی زائد ہے۔ اس ملک کی سرکاری زبان ترکی ہے۔ یہاں بڑے شہروں میں ایک استنبول ہے یہاں کی استنبول یونیورسٹی نے 1980ء میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی۔

البانیہ

مشرقی یورپ کا ایک خوبصورت اسلامی ملک ہے البانی ملک کی سرکاری زبان ہے یہاں یونانی زبان بھی بولی جاتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی وفات 21 نومبر 1996ء کے ایک سال بعد ان کی پہلی برسی کے موقع پر انٹرنیشنل سنٹر برائے نظریاتی طبیعات ٹریسٹ اٹلی نے 19 سے 22 نومبر 1997ء کو ایک کانفرنس منعقد کی اس کانفرنس کی تفصیل الفضل انٹرنیشنل لندن نے اپنی اشاعت مورخہ 9 جنوری 1998ء کو شائع کی تھی۔

اس کانفرنس کے موقعہ پر البانیہ کے صدر پروفیسر Rexhep Meidani جو خود بھی ایک معروف ماہر طبیعات ہیں اور انٹرنیشنل سنٹر فار تھیوریٹیکل فزکس میں ریسرچ سکالر رہ چکے ہیں نے کہا کہ عبدالسلام نے غیر ترقی یافتہ ملکوں کے غریب سائنسدانوں کو اعزاز اور وقار دے کر جو عظیم کام کیا ہے اس سے وہ بلاشبہ تیسری دنیا کے ہیرو ہیں۔

(عبدالسلام مرتبہ عبدالحمید چودھری صفحہ 157)

مشرق وسطی کے اسلامی ممالک

سعودی عرب

مشرق وسطی کا یہ ملک اسلامی دنیا کا سب سے مشہور ملک ہے کیونکہ اسی ملک میں مسلمانوں کے سب سے متبرک مقامات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ موجود ہیں یہاں تقریباً 100 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ اس ملک کا دارالحکومت جدہ ہے۔

1974ء میں جب لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس ہوئی تھی تو ڈاکٹر صاحب نے اسلامی ممالک کی اسلامک سائنس فاؤنڈیشن کے قیام کی تجویز دی تھی۔ آپ کی خواہش تھی کہ اس فاؤنڈیشن کا مرکز جدہ میں ہونا چاہئے۔

1979ء میں جب ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو نوبیل پرائز ملا تو اس کے فوراً بعد وارث میر صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے انٹرویو لیا تھا جو نوائے وقت 3 دسمبر 1979ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ اس انٹرویو میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

1978ء کے آخر میں میری پیش کردہ تجویز پر تمام اسلامی ممالک متفق ہو گئے تھے اسلامک سائنس فاؤنڈیشن کی تجویز میرے ذہن میں صرف اس لئے آئی تھی کہ میں اس فاؤنڈیشن کے ذریعے اسلامی سائنس میں انقلاب لانا چاہتا تھا عرب ملکوں (خاص طور پر سعودی عرب) سے ذمہ دار حضرات میرے پاس آتے رہتے کہ ہم آپ کو بلانا چاہتے ہیں لیکن بھٹو صاحب کے ناراض ہو جانے کا اندیشہ ہے معلوم نہیں بھٹو صاحب کے سیاسی فیصلوں کی بنیاد موجود ہوتی تھی یا وہ بعض فیصلوں کی بنیاد خود مہیا کرتے تھے۔

سوال۔ آپ نے سعودی عرب کے ذمہ دار حلقوں کا ذکر فرمایا لیکن جس سیاسی فیصلے کا آپ ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ سنا ہے کہ اس پر سعودی عرب بھی اثر انداز ہوا تھا۔

جواب۔ میں اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سعودی حکومت اور شاہی خاندان میں رواداری اور اعتدال کے مظاہرے بھی دیکھنے میں آئے ہیں۔ نیویارک سے محمد بن فیصل بن سعود کا مبارک باد کا پیغام آیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

''آپ کا اعزاز دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے باعث مسرت ہے الجزائر اور لیبیا کے مختلف وزراء کی طرف سے بھی تاریں پہنچی ہیں، برطانیہ میں پاکستان کے سفیر کے گھر میں مختلف مسلمان زعماء اور سائنسدانوں نے میری بہت عزت افزائی کی ہے۔ اسلامک کلچرل سنٹر کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر بدوی نے تو بیس مسلمان ملکوں کے سفیروں کو جمع کر لیا تھا اور اپنی استقبالیہ تقریر میں انہوں نے فرمایا تھا کہ ''ایک پاکستانی کو نوبیل انعام ملنے کے بعد عالم اسلام پر بین الاقوامی انعامات کے دروازے کھل گئے ہیں۔ ہمارا یہ احساس کمتری بھی ختم ہو گیا ہے کہ خدا کو ماننے والا کبھی بڑا سائنسدان نہیں بن سکتا اور نئی نسل کے لئے یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ اتنا بڑا انعام ایک ایسے پاکستانی کو ملا ہے جس کے عقیدے اور عمل میں کوئی تضاد نہیں۔

(نوائے وقت 3 دسمبر 1979ء)

(بحوالہ عبدالسلام مرتبہ عبدالحمید چودھری صفحہ 291)

نوٹ: شہزادہ محمد بن فیصل السعود جن کا اوپر ذکر ہوا ہے آپ اس وقت کے سعودی وزیر خارجہ کے بھائی اور اسلامی بینکاری کی تنظیم کے سربراہ تھے۔

1979ء میں ڈاکٹر عبدالسلام نے جب نوبیل پرائز حاصل کیا تو اس پر سعودی عرب کے مشہور شہر اور اسلام کے دائمی مرکز مکہ کے ایک اخبار نے لکھا

ایک .... پاکستانی عالم کا اس انعام کا حصول سارے عالم اسلامی کے لئے شرف وعزت کا موجب اور ان کی محنت کا ثمرہ ہے۔

(العالم الاسلامی 19 نومبر 1979ء)

(بحوالہ پہلا احمدی سائنسدان عبدالسلام از محمود مجیب اصغر)

عراق

یہ مشرق وسطی کا ایک اہم ملک ہے یہاں مسلمانوں کی آبادی 95 فیصد ہے۔ عربی ملک کی سرکاری زبان ہے۔ تیل عراق کی سب سے بڑی معدن ہے دنیا کا چھ فیصد تیل عراق میں پیدا ہوتا ہے (1993ء تک کے اعداد وشمار کے مطابق) عراق کا دارالحکومت بغداد ہے۔ عراق کو یہ شرف حاصل ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب 1979ء میں بغداد کی عراقی اکیڈمی کے منتخب رکن تھے۔

اردن

یہ مشرق وسطی کا ایک چھوٹا سا ملک ہے یہ اسلامی ملک تعلیمی اعتبار سے کافی حد تک ترقی یافتہ ہے۔

اردن کی ایک بہت اہم اور مشہور یونیورسٹی یرموک یونیورسٹی نے 1980ء میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دے کر اپنی یونیورسٹی اور اپنے چھوٹے سے ملک کی عزت میں اضافہ کیا اسی طرح 1980ء میں ہی حکومت اردن نے آپ کو نشان استقلال کا ایوارڈ بھی دیا۔

براعظم افریقہ کے اسلامی ممالک

سوڈان

سوڈان رقبے کے لحاظ سے اسلامی دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ عربی اس ملک کی سرکاری زبان ہے اس ملک کا دارالحکومت خرطوم ہے۔ اس ملک کی خرطوم یونیورسٹی نے 1983ء میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگری دے کر اپنی یونیورسٹی کے وقار میں اضافہ کیا۔

نائیجیریا

آبادی کے لحاظ سے یہ افریقہ کا سب سے بڑا ملک ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ انگریزی اس ملک کی سرکاری زبان ہے۔

پاکستان اور بنگلہ دیش کی طرح اس ملک کی بھی دو یونیورسٹیوں نے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں دیں یونیورسٹی آف میڈ گوری (Maiduguri)، میڈ گوری نے 1981ء میں اور 1990ء میں بنڈل سٹیٹ (Bendal State) یونیورسٹی ایک پوما (Ek poma) نے آپ کو ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگریاں دیں۔

مراکش

یہ شمال مغربی افریقہ کا ایک ملک ہے۔ یہاں 99 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ عربی ملک کی سرکاری زبان ہے تاہم بربر زبان بھی بولی جاتی ہے۔

1980ء میں مملکت مراکش کے شہنشاہ حسن ثانی نے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو زبردست خراج تحسین پیش کیا تھا۔

شاہ مراکش نے یہ خراج تحسین اس شاہی فرمان میں پیش کیا جو ان کے دستخطوں سے 10 مارچ 1980ء کو جاری کیا گیا۔ اس شاہی فرمان کی رو سے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو مملکت مراکش کی اکیڈمی کا ایسوسی ایٹ رکن بنایا گیا تھا۔ یہ اکیڈمی ساٹھ اراکین پر مشتمل ہے جس میں سے 30 افراد مراکش کے باشندے اور بقیہ 30 افراد نمایاں شہرت کے حامل غیر ملکی ہوتے ہیں۔ اس اکیڈمی کا مقصد ملک میں سائنس اور فن کو ترقی دینے اور اس کے ذریعے سے انسانیت کے اعلیٰ ترین نظریات کا حصول ہے اس اکیڈمی کے سرپرست شاہ موصوف بنفس نفیس تھے۔

ڈاکٹر صاحب کو اس ضمن میں خصوصی طور پر مراکش بلایا گیا تھا۔ جہاں سرکاری دعوت میں شاہ حسن نے انہیں اپنے ساتھ بٹھایا تھا۔

شاہ مراکش کے شاہی فرمان کا اردو ترجمہ روزنامہ الفضل ربوہ کی اشاعت 29 جون 1980ء کو شائع ہوا تھا۔ شاہی فرمان میں شاہ مراکش نے آپ کو یوں خراج تحسین پیش کیا ''آپ کی غیر معمولی انسانی صلاحیتوں کو اور خود اپنے ملک میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں آپ کی جلیل القدر شہرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے طبیعات اور ریاضی کے شعبوں میں آپ کے بے مثال کام کو جو بلند پایہ سائنسی تحقیق کے میدان میں پے در پے کامیابیوں پر منتج ہوا ہے اور جس سے آپ کی ذات اور آپ کے اسلامی ملک کی شہرت کو چار چاند لگ گئے ہیں اور جن سے اسلامی تہذیب وفکر جگمگا اٹھے ہیں .... مد نظر رکھتے ہوئے سائنسی ترقی اور نتیجۃً انسانیت کے علو وارتقاء کے ضمن میں آپ کے کارناموں کو جن کی گراں قدر افادیت کا نوبیل انعام کی شکل میں عالمی سطح پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اور ایک ایسی عزت آپ کو ملی ہے جو بلاشبہ آپ جیسی بلند پایہ ہستیوں ہی کے حصہ میں آسکتی ہے۔

الغرض آپ کی ان جملہ صلاحیتوں اور کارناموں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمارے مقرر کردہ کمیشن نے دستوری قانون کی دفعہ 42 کی رو سے آپ کے نام نامی کو مملکت مراکش کی اکیڈمی میں ایک شریک کار ہم مرتبہ رکن (ایسوسی ایٹ ممبر) کی حیثیت سے شامل کرنے کی غرض سے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

لہٰذا ہم آپ کی نمایاں طور پر ممتاز شخصیت اور اپنے ملک اور عالم انسانیت کے لئے آپ کے گراں قدر کام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کمال درجہ مسرت کے ساتھ مملکت مراکش کی اکیڈمی میں آپ کی نامزدگی کی منظوری دیتے ہیں۔

آخر میں ہمیں یقین کامل ہے کہ اکیڈمی میں آپ کی شمولیت آپ کے اپنے ملک اور مملکت مراکش کے درمیان دوستی اور تعاون کے رشتوں کے مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں ایک طاقتور محرک ثابت ہوگی۔

مراکش کے شاہی محل سے جاری کیا گیا۔

(22 ربیع الثانی 1400 ہجری بمطابق 10 مارچ 1980ء)

دستخط

حسن ثانی شاہ مراکش

(عبدالسلام مرتبہ عبدالحمید چودھری صفحہ 419-420)

(باقی صفحہ 14 پر)

مرسلہ: مکرم پروفیسر راجا نصر اللہ خان صاحب

دانشوروں اور ادیبوں کی نظر میں

قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت اور کردار

متاثر کن شخصیت

مولانا غلام مرشد (سابق خطیب بادشاہی مسجد لاہور) اپنے تفصیلی مضمون کے آخری پیراگراف میں تحریر کرتے ہیں۔

''میں مختلف مکتبوں اور دارالعلوموں میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ بڑی بڑی نامورہستیوں سے شرف تلمذ اور تعارف حاصل رہا۔ میں نے سیاسی لیڈروں کو بھی دیکھا اور مذہبی رہنماؤں کو بھی۔ لیکن مجھے پوری زندگی میں قائداعظمؒ سے بڑھ کر کوئی شخصیت متاثر نہ کرسکی۔ میں نے ہر ایک کو ان سے کمتر پایا............ بلندئ کردار کے اعتبار سے بھی اور قرآنی بصیرت کے نہج سے بھی۔ اس قسم کے انسان صدیوں میں جا کر پیدا ہوتے ہیں۔ جو لوگ ان کے خلاف آج ہذیان بک رہے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ چاند پر تھوکا خود اپنے منہ پر آیا کرتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک تو کجا، سب مل کر بھی اس بطل جلیل کے غبار راہ تک بھی پہنچ نہیں سکتے۔ اللہ اسے اپنے اصحاب کرام کے سائے میں رکھے۔''

(نوائے وقت مورخہ 24 ستمبر 2006ء اداراتی صفحہ)

سچ کی طاقت اور فتح

رفیق ڈوگر اپنے کالم ''دید شنید'' میں تحریر کرتے ہیں۔

''توحید پر ایمان رکھنے والے بڑے بڑے قاضی و ملا اس (قائداعظم۔ ناقل) کی مخالفت میں بت پرستوں کی صف میں ہوا کرتے تھے۔ مسجدوں والے منبر والے جس کی مخالفت میں مندر والوں اور گوردوارے والوں کے ساتھ ہوتے تھے اور دور دراز ایک گاؤں کے ڈیرے پر چارہ کاٹنے والا اس وجہ سے ناراض تھا کہ اس کے بارے میں یہ کیوں شبہ کیا جارہا ہے کہ وہ اس قائداعظم کو شاید جانتا نہیں۔ یہ تھی سچ کی طاقت، یہ تھی عوام اور عام مسلمان کے دکھ کو محسوس کرنے والے اور اسے دور کرنے کا جہاد کرنے والے کے کردار کی قوت۔ کتنے مخالف تھے اس کے؟ ہندو کا سرمایہ۔ اس کی سازش کی قوت۔ اس کا پریس اور اس کے سرمایہ کی قوت سے خریدے دانش فروشوں کی قوت۔ انگریز کی حکومت۔ اس کی حکمرانی کی چالیں اور سازشیں اور توحید پر ایمان کے دعویدار خود بت پرستوں کی صف میں کھڑے تھے۔ سب اس کے خلاف تھے اور پنجاب کے ایک پسماندہ ضلع کے دور دراز کے گاؤں سے باہر دور بیٹھا ایک مسلمان کسان بھی اس سے اور اس کے مشن کی سچائی سے واقف تھا اور اس کے سارے دشمن کبھی بھی اس پر یہ الزام نہیں لگا سکتے تھے کہ اس نے کبھی جھوٹ بولا ہے۔ کسی کو دھوکہ دیا ہے کس کا مال کھایا ہے یا کسی سے ڈیل کی ہے۔ (نوائے وقت مورخہ 10 ستمبر 2007ء)

میثاق مدینہ کی یاد

پروفیسر سید محمد یوسف عرفان اپنے مضمون ''قائداعظم اور پاک و ہند کی اقلیتیں'' میں تحریر کرتے ہیں۔

''قائداعظم نے 11/اگست 1947ء میں دستور ساز اسمبلی کو خطاب کرتے ہوئے ریاست مدینہ اور میثاق مدینہ کی یاد تازہ کردی تھی۔ ریاست مدینہ میں کفار و مشرکین کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے اکثریتی مسلمان اور غیر مسلم اقلیتیں مدینہ ریاست کے شہری ہونے کے ناطے برابر اور مساوی حقوق و فرائض کے حامل ہیں۔ ریاست مدینہ میں غیر مسلم اقلیتوں کو بنیادی انسانی حقوق سمیت مکمل مذہبی، ثقافتی، علمی و تمدنی، ذاتی و اجتماعی آزادی میسر ہوگی مگر ریاست مدینہ کے شہری ہونے کے ناطے وہ ریاست مدینہ کے تحفظ اور دفاع میں اکثریتی مسلمانان مدینہ کے ساتھ شانہ بشانہ نہ صرف لڑیں گے بلکہ ثابت قدم بھی رہیں گے۔ ریاست مدینہ کا دشمن اقلیتوں کا بھی دشمن ہو گا............ فی الحقیقت میثاق مدینہ بلا امتیاز مذہب، رنگ و نسل وغیرہ بنیادی انسانی حقوق اور اصول ضابطہ ہے جس کو قائداعظمؒ نے دستور پاکستان کی خشت اول قرار دیا ہے............ جس وقت انتقال اقتدار کی دستوری تقریب میں انگریز بھارتی گورنر جنرل پنڈت ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظمؒ کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ پاکستان میں اکبر اعظم کی سیاسی رواداری کی پالیسی اپنائیں گے تو قائداعظمؒ نے بلا توقف جواب دیا کہ ہمیں ہمارے نبی محترم محمد مصطفیٰؐ نے چودہ سو سال قبل سیاسی رواداری کی پالیسی عطا کی ہے اور اکبر اعظم کی پالیسی اس عظیم سیاسی رواداری کا ادنیٰ اور معمولی مظاہرہ ہے۔ قائداعظمؒ نے مذکورہ بالا خطاب میں اسی امر کا مظاہرہ کیا تھا کہ اقلیتیں پاکستان کی دو نمبر شہری نہیں ہیں۔ ان کے بنیادی حقوق اور مذہب و ثقافت کا تحفظ کرنا ریاست پاکستان کی ذمہ داری ہے مگر بحیثیت پاکستانی شہری تمام اقلیتوں کو پاکستان برتر اور عظیم تر ہونا چاہئے............ پاکستان اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے اور بنیادی انسانی قدریں بھی کسی ملک کو اساسی استحکام عطا کرتی ہیں، اسی لئے شاعر اسلام اور مفکر پاکستان حضرت علامہ محمد اقبال نے فرمایا تھا کہ

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی

(نوائے وقت مورخہ 23/اگست 2005ء)

دستور ساز اسمبلی میں افتتاحی تقریر

معروف دینی مقرر و مضمون نگار شاہ بلیغ الدین اپنے مضمون ''قائداعظم کا نظریۂ حکومت اسلامی یا سیکولر............؟'' میں تحریر کرتے ہیں۔

''اب آیئے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں قائداعظم کی تقریر کا جائزہ لیں۔ یہ تقریر 11/اگست 1947ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے افتتاح کے موقع پر کی گئی تھی۔

(چند اہم نکات)

''ماضی کو فراموش کر کے تقسیم سے پہلے کے جھگڑوں کو بھول جایئے۔ آپ پہلی دوسری اور آخری حیثیت میں صرف اس مملکت کے شہری ہیں جن کو مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ یہ سوچے بغیر کام کیجئے کہ کس کا کیا رنگ ہے؟ کیا عقیدہ ہے؟ آپ آزاد ہیں''۔ اپنے مندر کو جانے (میں) آزاد ہیں۔ اپنی مسجد کو جانے (میں) آزاد ہیں۔''

قائداعظم نے اپنی تقریر میں ایک بات پر زور دیا تھا اور جو الفاظ انہوں نے استعمال کئے تھے ان کا مطلب تھا کہ اب پاکستان کے شہریوں میں ہندو ہندو نہ رہے گا اور مسلمان مسلمان نہ رہے گا۔ مطلب یہ تھا کہ شہری حقوق میں حقوق انسانی کے تعلق سے دونوں برابر ہوں گے۔ ان کے اس منشاء کی بات یوں بھی سامنے آتی ہے کہ انہوں نے فوراً دوسرے جملے میں تشریح کردی ہے کہ یہ بات مذہب کے سیاق و سباق سے نہیں کہی جارہی ہے۔ اس سے پہلے بھی اپنی تقریروں اور تحریروں میں یہ بات میں نے واضح کی ہے کہ قائداعظمؒ نے تاریخ اسلام کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ مدینے کی پہلی اسلامی مملکت کا پورا پس منظر انہیں معلوم تھا۔ میثاق مدینہ ہی سے متاثر ہو کر انہوں نے یہ تقریر کی تھی۔ میثاق مدینہ کی پہلی دفعہ میں ان سب کے نام دیئے گئے ہیں جو اس میثاق کی رو سے معاہدے ثابت ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے ذات ختمی مرتبت حضور ﷺ ہے پھر مدینے کے مسلمان۔ ان کے بعد مدینے کے اہل کتاب یعنی یہودی اور نصاریٰ اور آخر میں مدینے کے غیر مسلم یعنی بت پرست، ستارہ پرست وغیرہ۔ اس معاہدے کی پہلی دفعہ کا مطلب ہے کہ متذکرہ صدر چھ گروہ سیاسی طور پر ایک جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(بحوالہ 19 سیاسی وثیقہ جات، ڈاکٹر محمد حمید اللہ)

یہاں تھوڑا سا اپنا حافظہ تازہ کر لیجئے کہ ایک تو یہ معاہدہ دنیا کا پہلا تحریری دستور کہلاتا ہے۔ دوسرے اسی کے حوالے سے رسالت مآب ﷺ کا اسم گرامی لنکن ان پر لکھا گیا ہے جسے قانونی تعلیم کی پہلی سیڑھی پر چڑھتے وقت قائداعظمؒ نے اپنی درسگاہ کے طور پر منتخب کیا تھا۔ قائداعظمؒ نے دستور ساز اسمبلی میں جو الفاظ استعمال کئے تھے اسے سیکولر کہنا بالکل غلط ہے۔ یہ تو عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں۔ انگلستان کی پارلیمنٹ کی دو بڑی جماعتیں لبرل اور قدامت پرست ہیں۔ امریکہ میں ریپبلکن اور ڈیموکریٹ ہیں ان میں سے کوئی جماعت برسر اقتدار آجائے شہری اور سیاسی حقوق کے تعلق سے دونوں برابر ہوتے ہیں۔ اب تو ان دونوں جماعتوں میں مسلمان اور ہندو بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہی حال کینیڈا کی سیاسی جماعتوں کا ہے جو (Multicultural) معاشرہ کہلاتا ہے۔''

(نوائے وقت مورخہ 15 ستمبر 2005ء اداراتی صفحہ)

شاندار خراج تحسین

نوائے وقت کے معروف مضمون نگار رانا عبدالباقی کے مضمون ''قائداعظم محمد علی جناح۔ اپنوں اور غیروں کی نظر میں''۔ سے چند اہم و دلچسپ اقتباسات:۔

1۔ ''مجلس احرار کے سربراہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری جنہوں نے پاکستان بننے کے بعد لاہور کے ایک جلسہ عام میں اپنی جماعت کو یہ کہہ کر توڑنے کا اعلان کیا تھا کہ متحدہ ہندوستان کی حمایت ان کی غلطی تھی، قائداعظم کی وفات پر انہوں نے کہا کہ قائداعظم ایک عہد آفرین شخصیت تھے۔ اسلامی تاریخ میں انہوں نے بیش بہا اضافہ کیا ہے جو پاکستان کے نام سے رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔''

2۔ ''قائداعظم سے اختلاف رکھنے والے خاکسار تحریک کے بانی علامہ عنایت اللہ مشرقی نے کہا کہ قائداعظم کا عزم پائندہ اور راسخ تھا، وہ ایک بہادر اور بیباک سپاہی تھے جو مخالفوں سے ٹکرانے میں کبھی خوف زدہ نہیں ہوئے۔''

3۔ ''جواہر لال نہرو کی بہن وجے لکشمی پنڈت کہتی ہیں کہ 'جناح ناقابل شکست تھے' اگر مسلم لیگ کے پاس سو گاندھی ہوتے اور کانگریس کے پاس صرف ایک جناح تو پاکستان کبھی نہ بنتا''۔

4۔ سر فرانس موڈی سابق انگریز گورنر پنجاب نے کہا کہ جناح کا مقابلہ محض ہندوؤں کی دولت اور قابلیت سے ہی نہیں تھا بلکہ تمام انگریز حکام اور برطانیہ کے اکثر سیاستدان بھی ان کے خلاف تھے لیکن انہوں نے اپنا موقف تبدیل نہیں کیا''۔

5۔ ''مشہور ہندوستانی دانشور اور اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر، جن کا شمار ہندوستان کی چھ انتہائی قابل ترین شخصیتوں میں ہوتا تھا نے کہا کہ جناح اپنے ارادوں اور رائے میں پختہ تھے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جناح کسی قیمت پر بھی انگریز کے آلہ کار نہیں بن سکے۔''

6۔ ''لارڈ ریمز ے میکڈانلڈ سابق برطانوی وزیراعظم جن کا جھکاؤ ہندوؤں کی طرف کے باعث قائداعظم نے ایک تقریب میں ان سے ہاتھ ملانے سے انکار کردیا تھا، نے قائداعظم کی وفات پر کہا کہ جناح کو کسی قیمت پر خریدا نہیں جاسکتا تھا کیونکہ لالچ اور خوف کے الفاظ ان کی لغت میں نہیں تھے۔''

7۔ ''لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جناح کی شخصیت بہت نمایاں اور ممتاز تھی، وہ چٹان کی طرح اٹل اور مستحکم مگر انتہائی ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان تھے اور میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میں ان کے سینے کی گہرائیوں میں اتر سکوں اور انہیں متحدہ ہندوستان پر قائل کرسکوں، بالآخر مجھے جناح کے موقف کے سامنے جھکنا پڑا۔''

8۔ ''مشہور برطانوی فلسفی برٹرینڈ رسل نے کہا ''مسلمانان ہند کی پوری تاریخ میں کوئی بڑی سے بڑی شخصیت ایسی نہیں گزری جسے قائداعظم جیسی عوامی محبت حاصل ہوئی ہو۔''

(نوائے وقت مورخہ 12 ستمبر 2006ء ادارتی صفحہ)

فرقہ وارانہ فسادات پر تشویش

''جنرل گل حسن بتاتے ہیں کہ جب قائداعظم کے اے ڈی سی کی حیثیت سے میری ڈیوٹی کے آخری ایام تھا تو کراچی میں فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھے۔ قائداعظم فکرمند نظر آنے لگے۔ ایک دن مجھے انہوں نے بلاکر پوچھا کہ میں نے اپنے ہندو دوست کو کھانے پینے کی چیزیں بھجوادی ہیں تو میں نے ہاں میں جواب دیا مزید کہا کہ میں نے ضروری اشیاء کی خریداری کے لئے ڈرائیور کو اپنی جیب سے رقم دی تھی اور پھر سارا سامان اس وقت ہندو دوست کے گھر بھیجا جب رات کو کرفیو نافذ تھا۔ انہوں نے میری طرف غور سے دیکھا اور کہا،

''مجھے تم پر فخر ہے۔ پاکستان کے لوگ جب بھی مصیبت میں مبتلا ہوں ان کی مدد کرنی چاہیئے۔''

(زریں اصول مطبوعہ ''نوائے وقت'' مورخہ 2/ اکتوبر 2007ء ص)

پہلے خود قانون کی تعمیل کی

''جنرل گل حسن اپنی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ قیام پاکستان کے موقع پر انہیں مملکت پاکستان کے نامزد گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح کا اے ڈی سی مقرر کردیا گیا۔ قائداعظم کو جب بھی موقع ملتا شام کے وقت سیر کے لئے مس فاطمہ جناح کے ساتھ ملیر (کراچی) چلے جاتے یہی ان کی واحد تفریح تھی۔ ایک دفعہ ملیر کا ریلوے پھاٹک بند تھا۔ چنانچہ کار رک گئی میں نے دائیں بائیں دیکھا ٹرین ابھی خاصے فاصلہ پر تھی۔ لہٰذا سیدھا ریلوے پھاٹک کے رکھوالے کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ ابھی گاڑی کافی فاصلے پر ہے اور کار میں اعلیٰ شخصیت سوار ہے۔ ہمیں گزر جانے دیں اس نے پھاٹک کا دروازہ کھول دینے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ میں واپس کار میں آیا اور ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی چلائے مگر ڈرائیور نے کہا کہ قائداعظم نے انتظار کرنے کے لئے کہا ہے۔ اسی وقت گورنر جنرل نے مجھے مخاطب ہوکر فرمایا:۔

''جاکر گیٹ کیپر سے کہو کہ وہ دروازہ بند کردے'' میں نے حکم کی تعمیل کی اور پھاٹک کا دروازہ بند کرا دیا۔ پھر قائداعظم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''گل! تمہیں معلوم ہے میں نے ڈرائیور کو کار چلانے سے منع کیوں کیا ہے۔'' میں نے جواب دیا ''جناب عالی! مجھے معلوم نہیں'' تب گورنر جنرل نے پھر سے کہا۔

''بالکل سادہ سی بات ہے اگر میں خود قانون کی تعمیل نہیں کروں گا تو دوسروں سے ایسا کرنے کی کیسے توقع رکھ سکتا ہوں۔''

(''نوائے وقت'' مورخہ 23/ اکتوبر 2007ء)

صاحب کردار قائداعظم کا پاکستان

رفیق ڈوگر اپنے مضمون ''فرق تو پڑتا ہے'' میں تحریر کرتے ہیں:۔

''قائداعظم محمد علی جناحؒ کے کتنے دشمن تھے کبھی شمار کیا آپ نے؟ کروڑوں تھے۔ ہندو تھے سکھ تھے وہ بھی تھے جن کے نمائندے ماؤنٹ بیٹن تھے اور ان سے پہلے والے وائسرائے ہند تھے اور وہ بھی جن کے مسلمانوں کی قیادت کے دعوے مسلمانوں نے مسترد کردیئے تھے۔ بہت دشمن تھے محمد علی جناحؒ کے لیکن ان سب میں سے کسی ایک نے بھی قائداعظم کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا تھا کہ انہوں نے کبھی جھوٹ بولا ہے کسی کو دھوکا دیا ہے یا کسی کا مال کھایا ہے۔ کبھی نہیں کہا تھا۔ کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی قائداعظم محمد علی جناحؒ کے بارے میں زبان تو کیا ایسی کوئی بات دل میں بھی نہیں لا سکا تھا نہ ان کی زندگی میں اور نہ ہی ان کی وفات کے بعد سے کوئی محقق اور کوئی سکالر کوئی دشمن ایسی کوئی بات سامنے نہیں لا سکا.......... اور ہمارا یہ ملک اس قائداعظم محمد علی جناح نے ہمیں لے کر دیا تھا اس حوالے سے ہم پاکستان کے ہی مالک نہیں اس امانت دیانت صداقت اور جراتِ کردار کے بھی وارث ہیں۔ کتنی عظیم وراثت ملی تھی ہم اہل پاکستان کو پھر کیا کیا ہم نے اس وراثت کا کبھی دکھ درد محسوس کیا ہے ہم نے؟ اس نقصان عظیم کا؟ نہیں تو کیوں نہیں؟ وہ لوگ جو قائداعظم کے پاکستان میں قیادت اور سیادت پر قابض رہے یا قابض ہیں انہوں نے اس عظیم وراثت کی کبھی حفاظت کی ہے نہیں تو کیوں نہیں؟ کبھی ہم نے اس بارے میں اور ان کے بارے میں سوچنے کی ضرورت محسوس کی ہے؟ ایک بار پھر وہی سوال کہ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ ہم تو سچ اور جھوٹ امانت اور بددیانتی جرأت اور بزدلی میں فرق کو سمجھنے کے بھی قابل نہیں رہے ورنہ ہمارا وہ دل ہوتا جو آج ہے؟

(نوائے وقت مورخہ 14 نومبر 2007ء)

14 اگست

سلام اس یومِ آزادی کو صبح و شام کرتا ہوں
میں اپنی زندگی اپنے وطن کے نام کرتا ہوں

مری آنکھوں کا سرمہ ہیں، زمینِ پاک کے ذرے
میں دیوانہ ہوں بس یہ کام ہر اک گام کرتا ہوں

جو میلی آنکھ سے دیکھے وطن کو پھوڑ دوں آنکھیں
میں دشمن کی ہر اک سازش کو طشت ازبام کرتا ہوں

یہ ارضِ پاک کے باشی، مکیں گویا ہیں اک گھر کے
محبت بانٹ کر ان میں وفا کو عام کرتا ہوں

کرو محنت، زیادہ کام اور تنظیم ہم وطنو!
تمہارے نام قائد کا میں یہ پیغام کرتا ہوں

انور ندیمؔ علوی

اشتہارات

واپڈا کے چیئرمین

نمبر شمار	نام	عرصہ ملازمت
1	جی احمد خان	10 دسمبر 1958ء سے 15 دسمبر 1958ء
2	جی اے فاروق	15 دسمبر 1958ء سے یکم جنوری 1961ء
3	غلام اسحاق خان	2 جنوری 1961ء سے 11/اپریل 1966ء
4	اے جی این قاضی	27 مئی 1966ء سے 27 مئی 1969ء
5	آئی اے خان	27 مئی 1969ء سے 30 ستمبر 1972ء
6	شاہنواز خان	یکم اکتوبر 1972ء سے 29 جنوری 1975ء
7	میجر جنرل سعد طارق	29 جنوری 1975ء سے یکم جولائی 1976ء
8	میجر جنرل فضل رزاق	یکم جولائی 1976ء سے 30 جون 1981ء
9	لیفٹیننٹ جنرل غلام صفدر بٹ	یکم جولائی 1981ء سے 30 جون 1987ء
10	لیفٹیننٹ جنرل زاہد علی اکبر خان	یکم جولائی 1987ء سے 30 جون 1992ء
11	ممتاز حمید	یکم جولائی 1992ء سے 9 مئی 1994ء
12	شمس الملک	9 مئی 1994ء سے 31/اکتوبر 1995ء
13	بشیر احمد عباسی	31/اکتوبر 1995ء سے 10 نومبر 1995ء
14	خالد جاوید	10 نومبر 1995ء سے 5 نومبر 1997ء
15	شمس الملک	5 نومبر 1997ء سے 7/اکتوبر 1998ء
16	سید شاہد حسین	8/اکتوبر 1998ء سے 13 نومبر 1998ء
17	لیفٹیننٹ جنرل ذوالفقار علی خان	13 نومبر 1998ء سے 12 نومبر 2003ء
18	طارق حمید	19 نومبر 2003ء سے 8 ستمبر 2007ء
19	شکیل درانی	آغاز 8 ستمبر 2007ء

(جنگ سنڈے میگزین۔30 دسمبر 2007ء)

پاکستان کے مشہور ڈیم

نمبر شمار	نام ڈیم	نام دریا	بلندی (فٹوں میں)	سال تکمیل	خرچ (ملین روپوں میں)
1	تربیلا ڈیم	سندھ	485	1976ء	14000
2	منگلا ڈیم	جہلم	380	1967ء	3199
3	وارسک ڈیم	کابل	270	1961ء	350
4	راول ڈیم	کورنگ	113.5	1962ء	21.2
5	تاندہ ڈیم	کوہاٹ توئی	115	1967ء	66.84
6	بولان ڈیم	....	70		4.07
7	باران ڈیم	کوہاٹ توئی	130	1962ء	9069
8	ڈونگی ڈیم	....	71	1967ء	1033
9	سویٹ ڈیم	....	29	1963ء	0.170

پاکستان کا عالمی ورثہ

آثار قدیمہ کے حوالے سے پاکستان دنیا کے چند ایک اہم ترین ممالک میں شامل ہے۔ اقوام متحدہ کے تحت کام کرنے والے ادارے World Heritage Centre نے پاکستان میں واقع 6 مقامات کو عالمی ورثہ کی فہرست میں شامل کیا ہے جبکہ پاکستان کے حوالے سے ایک اور فہرست بھی ادارے کے زیر غور ہے جس میں مزید مقامات کو اس فہرست میں جگہ دینے کی سفارش کی گئی ہے۔ عالمی ورثہ قرار پانے والے 6 مقامات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ موہنجوداڑو کے کھنڈرات

تیسری صدی قبل از مسیح میں دریائے سندھ کے کنارے پر آباد شہر موہنجوداڑو کو 1980ء میں عالمی ورثہ قرار دیا گیا۔ یہ کھنڈرات ضلع لاڑکانہ کے قصبہ موہنجوداڑو کے ریلوے سٹیشن سے 12 کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

2۔ ٹیکسلا کے آثار قدیمہ

ٹیکسلا کو 5 ویں صدی قبل مسیح سے لے کر دوسری صدی بعد از مسیح کے عرصے میں بدھ مت کے علمی مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔ یہ شہر بھی عالمی ورثے میں شامل ہے اور اس کے گردونواح میں میلوں تک اس قدیم تہذیب کے آثار بکھرے ہوئے ہیں، جن میں سے بہت سے ابھی دریافت بھی نہیں ہوئے۔

3۔ تخت بائی کے بدھ آثار

تخت بائی کے آثار دراصل بدھ مذہب کی مذہبی عمارتوں پر مشتمل ہیں۔ ان مذہبی عمارتوں کو سنگھانہ کہا جاتا تھا۔ اس جگہ کو بھی 1980ء میں عالمی ورثہ کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ یہ مقام صوبہ سرحد کے شہر مردان کے شمال میں 15 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

4۔ ٹھٹھہ کی تاریخی عمارتیں

ٹھٹھہ کو 1981ء میں عالمی ورثہ کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ یہ عظیم شہر تین حکمران خاندانوں کا پایہ تخت اور اس کے بعد مغل سلطنت کا حصہ بنا۔ ٹھٹھہ 14 ویں سے 18 ویں صدی بعد از مسیح کے دور میں سندھ کی شان و شوکت کی اہم ترین علامت ہے۔ اس زمانے میں ٹھٹھہ علم و ادب اور فن و ثقافت کا گہوارہ رہا۔

5۔ شاہی قلعہ اور شالیمار باغ

لاہور کو ایک ہزار سال تک مرکزی یا صوبائی دارالحکومت ہونے کا اعزاز حاصل رہا۔ غزنوی، غوری، ترک، سید، لودھی، مغل، سری، سکھ اور برطانوی تمام ادوار میں اس شہر کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی۔ شاہی قلعہ اور شالیمار باغ لاہور کے شاندار ماضی کی اہم ترین علامتیں ہیں جنہیں عالمی ورثہ کی حیثیت دی گئی ہے۔

6۔ قلعہ روہتاس

قلعہ روہتاس کو جنوبی اور وسطی ایشیا میں ابتدائی مسلم فوجی طرز تعمیر کے اہم ترین نمونے کی حیثیت حاصل ہے۔ 1541ء میں ہمایوں کو شکست دینے کے بعد شیر شاہ سوری نے جہلم کے قریب ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کروایا تھا، اسے دنیا کے چند ایک سب سے بڑے قلعوں میں سے ایک ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

(سنڈے ایکسپریس 28/اکتوبر 2007ء)

پنجاب اور سابقہ مغربی پاکستان کے وزرائے اعلیٰ کے نام اور عہدے کی میعاد

نام	نام عہدہ	عہدے کی میعاد
نواب افتخار حسین ممدوٹ	وزیراعلیٰ پنجاب	15/اگست 1947ء تا 25 جنوری 1949ء
میاں ممتاز خان دولتانہ	وزیراعلیٰ پنجاب	5/اپریل 1951ء تا 3/اپریل 1953ء
ملک فیروز خان نون	وزیراعلیٰ پنجاب	3/اپریل 1953ء تا 14/اکتوبر 1955ء
سردار عبدالحمید خان دستی	وزیراعلیٰ پنجاب	21 مئی 1955ء تا 14/اکتوبر 1955ء
ڈاکٹر خان صاحب	وزیراعلیٰ مغربی پاکستان	14/اکتوبر 1955ء تا 16 جولائی 1957ء
سردار عبدالرشید خان	وزیراعلیٰ مغربی پاکستان	16 جولائی 1957ء تا 18 مارچ 1958ء
نواب مظفر علی قزلباش	وزیراعلیٰ مغربی پاکستان	18 مارچ 1958ء تا 7/اکتوبر 1958ء
شیخ مسعود صادق	لیڈر آف دی ہاؤس	6 دسمبر 1962ء تا 8 جون 1965ء
خان حبیب اللہ خان	لیڈر آف دی ہاؤس	9 جون 1965ء تا 25 ستمبر 1966ء
ملک خدا بخش بچہ	لیڈر آف دی ہاؤس	25 ستمبر 1966ء تا 12 نومبر 1969ء
ملک معراج خالد	وزیراعلیٰ پنجاب	2 مئی 1972ء تا 12 نومبر 1973ء
ملک غلام مصطفیٰ کھر	وزیراعلیٰ پنجاب	12 نومبر 1973ء تا 15 مارچ 1974ء
محمد حنیف رامے	وزیراعلیٰ پنجاب	15 مارچ 1974ء تا 15 جولائی 1975ء
نواب صادق حسین قریشی	وزیراعلیٰ پنجاب	15 جولائی 1975ء تا 11/اپریل 1977ء 11/اپریل 1977ء تا 5 جولائی 1979ء
محمد نواز شریف	وزیراعلیٰ پنجاب	9/اپریل 1985ء تا 30 مئی 1988ء 21 دسمبر 1988ء تا 6/اگست 1990ء
غلام حیدر وائیں	وزیراعلیٰ پنجاب	8 نومبر 1990ء تا 25/اپریل 1993ء
میاں منظور وٹو	وزیراعلیٰ پنجاب	25/اپریل 1993ء تا 28 جون 1993ء 20/اکتوبر 1993ء تا 12 ستمبر 1995ء 3 نومبر 1996ء تا 17 نومبر 1996ء
سردار عارف نکئی	وزیراعلیٰ پنجاب	3 ستمبر 1995ء تا 3 نومبر 1996ء
میاں محمد شہباز شریف	وزیراعلیٰ پنجاب	20 فروری 1997ء تا 12/اکتوبر 1999ء
چودھری پرویز الٰہی	وزیراعلیٰ پنجاب	29 نومبر 2002ء تا 2007ء
دوست محمد کھوسہ	وزیراعلیٰ پنجاب	12/اپریل تا 6 جون 2008ء
میاں محمد شہباز شریف	وزیراعلیٰ پنجاب	8 جون 2008ء سے

اشتہارات

(بقیہ صفحہ 10)

الجیریا و لیبیا

یہ دونوں شمالی افریقہ کے اہم ممالک ہیں۔الجیریا رقبے کے لحاظ سے اسلامی دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ اس ملک کی سرکاری زبان عربی ہے۔ یہاں 99 فیصد باشندے مسلمان ہیں جبکہ لیبیا میں 97 فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ لیبیا کی سرکاری زبان بھی عربی ہے۔ تیل لیبیا کی سب سے بڑی معدن ہے اس سے اسے اچھی خاصی آمدنی حاصل ہوتی ہے اور کثیر آمدنی کی وجہ سے اس کا شمار دنیا کے 37 ویں امیر ملک کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

الجیریا اور لیبیا کے حکومتی وزراء اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین نے ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبیل پرائز ملنے پر مبارک کا پیغام یوں دیا ''آپ کا یہ اعزاز ساری اسلامی دنیا کے لئے باعث عزت وافتخار ہے''

(روزنامہ ڈان (انگریزی) کراچی 17 نومبر 1979ء)

لیبیا کا دارالحکومت طرابلس ہے، طرابلس کی الفتح یونیورسٹی کی پیپلز کمیٹی کے سیکرٹری جنرل ابراہیم المنتصر نے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو مبارکباد کا پیغام بھیجا اور کہا

''آپ نے جو اعزاز حاصل کیا ہے وہ صرف آپ کا انفرادی نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

(روزنامہ جنگ راولپنڈی 3 نومبر 1979ء)

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی سب سے پیاری ڈگری

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو دنیا کی 47 یونیورسٹیوں نے ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگریاں دی تھیں۔ 1986ء تک جب تک آپ کو 24 یونیورسٹیوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں دی تھیں آپ نے اس سال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا دورہ کیا تھا۔اس یونیورسٹی میں ایک لیکچر کے دوران آپ نے ایک بار فرمایا۔

''اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ مجھے کون سی ڈگری سب سے عزیز ہے تو میں بلا تکلف کہوں گا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ڈگری سب سے پیاری ہے۔

(بدر قادیان، 6 فروری 1986ء)

نوٹ: غور کیجئے کہ ڈاکٹر سلام صاحب ایسی یونیورسٹی کی ڈگری کو سب سے پیاری ڈگری قرار دیتے ہیں جو مسلمانوں کی یونیورسٹی ہے یاد رہے کہ اس یونیورسٹی کی بنیاد برصغیر کے مشہور مسلم مذہبی و سیاسی رہنما سر سید احمد خان نے خاص طور پر مسلمانوں کو دوسری اقوام سے تعلیمی طور پر سربلند کرنے کے لئے رکھی تھی۔

اشتہارات

اشتہارات

اشتہارات